قرآن وسنت اور اسلاف امت کی تعلیمات کا داعی
دینی، علمی، ادبی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا حامل

مجلّہ صدائے حق بنگلور

سرپرست

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری زیدت معالیھم

استاذ حدیث ومدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مدیر

عبدالرزاق بنگلوری

نائب مدیر

مفتی عبدالرحمٰن بنگلوری

ناشر

مجلس، صدائے حق اسلامک پورٹل بنگلور-78

قرآن وسنت اور اسلافِ امت کی تعلیمات کا داعی

دینی، علمی، ادبی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا حامل

مجلّہ

صدائے حق بنگلور

جلد:۰۳	شمارہ:۸	ماہ فروری و مارچ ۲۰۲۳ء	ماہ رجب و شعبان ۱۴۴۴ھ

سرپرست

حضرت مولانا محمد سلمان صاحب بجنوری دامت برکاتہم

استاذِ حدیث و مدیر ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

مدیر	نائب مدیر
عبدالرزاق بنگلوری	مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری

مجلس ادارت

- مفتی محمد علی صاحب قاسمی
- مولانا محمد اُویس صاحب رشادی
- مولانا عبداللطیف صاحب قاسمی

مجلسِ مشاورت

- مولانا اشرف صاحب قاسمی
- مولانا عبدالقدوس صاحب مظاہری
- مفتی عبدالفتاح صاحب قاسمی

ADVERTISEMENT TARIFF

Full Page (Title Back Cover)	6000/-
Full Page (Title Inner Cover)	5000/-

Black and White

Full Page (Inside Pages)	2000/-
Half Page (Inside Pages)	1000/-
Cuarter Page (Inside Pages)	500/-

Phone Pe & Google Pay:7406464533

مضمون نگار کی آرا سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں

شائع کردہ

مجلس: صدائے حق اسلامک پورٹل بنگلور 78

فہرست مضامین

عناوین	مضامین	اسمائے محررین	صفحہ نمبر
اداریہ	نیٹ ورک مارکیٹنگ کی شرعی حیثیت	عبدالرزاق بنگلوری	۳
درسِ حدیث	ہر نعمت کا سوال کیا جائے گا	مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری	۴
تذکرۂ صحابہؓ	دینی خدمت گزاروں کے معاش کا مسئلہ (قسط دوم)	مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی	۱۰
اصلاحِ معاشرہ	سیاہِ تازہ کی ذمہ داری	مولانا عمرین محفوظ رحمانی صاحب	۱۴
// // //	مہمان ومیزبان کے لئے قابلِ لحاظ امور	مفتی محمد عفان صاحب منصور پوری	۱۶
// // //	ماہِ مبارک کا استقبال	مولانا عصمت اللہ نظامانی	۲۱
// // //	صالح معاشرہ کا قاتل ذات برادری جنون	مولانا نجم الدین صاحب	۲۵
تحقیقات	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غارِ ثور کے واقعات	مفتی احمد اللہ نثار صاحب قاسمی	۲۸

اطلاعِ عام

نوٹ: مضمون نگار اپنے مضامین مندرجہ ذیل ای میل (E-mail) یا واٹسیپ (WhatsApp) پر ان پیج (InPage) فائل روانہ کر سکتے ہیں، جزاکم اللہ خیراً وأحسن الجزاء.

Email: muftiabdurrahman57@gmail.com
Whatsapp No: 09620795460 - 9739349433

اداریہ

نیٹ ورک مارکیٹنگ کی شرعی حیثیت

از: عبدالرزاق بنگلوری

روزافزوں ترقی یافتہ دَور میں نئے ایجادات واختراعات کی کچھ کمی نہیں ہے، ہرروز نت نئی تبدیلیاں ہورہی ہیں، بالخصوص تجارت ومعیشت کے فروغ کی بے شمار صورتیں وجود میں آگئی ہیں۔ جب کوئی شکل سامنے آتی ہے تو اسے اختیار کرنے سے پہلے شرعی اُصول وضوابط کے مطابق جواز اور عدمِ جواز کی تعیین کی جاتی ہے، پھر قرآن وحدیث کی روشنی میں اہلِ فقہ وفتاویٰ حلت یا حرمت کا فیصلہ کرتے ہیں۔ انہیں نت نئی اختراعات میں ایک نیٹ ورک مارکیٹنگ (Network Marketing) یا ملٹی لیول مارکیٹنگ (Multi Level Marketing) بھی ہے اور اس کی کئی ایک صورتیں ہیں، اس میں چند درج ذیل ہیں:

(۱) نیٹ ورک مارکیٹنگ میں کسی کمپنی میں رجسٹریشن فیس اُصول کی جاتی ہے، کام کرنے کی صورت میں کمیشن ملتا ہے، مثلاً یہ آدمی کا کام ہوتا ہے کہ وہ صرف کمپنی میں لوگوں کو ایسے ہی جوڑتا جائے جیسے یہ خود رجسٹریشن فیس دے کر جُڑا ہے اور یہ جتنے لوگوں کو جوڑتا جائے گا اتنا ہی کمیشن اسے ملے گا بایں طور کہ اُس نے کسی دو آدمیوں کو اس کمپنی سے جوڑا اور پھر اُن دو آدمیوں نے اسی طرح دو آدمیوں کو جوڑا، اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے اور جو پہلے والا آدمی ہے وہ اپنے بعد کے لوگوں کا کمیشن بغیر اپنی محنت کے کھاتا رہے گا اور اگر کسی نے رجسٹریشن فیس ادا کرنے کے بعد کام نہیں کیا تو وہ فیس اسے واپس نہیں دی جائے گی، یہ صورت شرعاً ناجائز اور حرام ہے؛ کیونکہ اس میں ممبر سازی کے ذریعہ کمیشن در کمیشن کاروبار چلانا اصل مقصد ہے جو کہ جوئے کی ایک نئی شکل ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ جیسے جوئے میں پیسے لگا کر یہ امکان بھی ہوتا ہے کہ اسے کچھ نہ ملے اور یہ بھی امکان ہوتا ہے کہ اسے بہت سارے پیسے بغیر محنت کے مل جائیں، اسی طرح مذکورہ کمپنی سے منسلک ہونے کے بعد کام کرنے میں یہ امکان بھی ہے کہ عامل کو کچھ نہ ملے (انفرادی طور پر مطلوبہ پوائنٹس تک نہ پہنچنے کی وجہ سے) اور یہ امکان بھی ہے کہ اسے بہت سے پوائنٹس مل جائیں (انفرادی طور پر اور ٹیم کی شکل میں مطلوبہ پوائنٹس تک پہنچنے کی وجہ سے) شرعی طور پر دلّال (ایجنٹ) کو اپنی دلالی کی اُجرت (کمیشن) ملتی ہے جو کہ کسی اور کی محنت کے ساتھ مشروط نہیں ہوتی؛ لیکن مذکورہ کمپنی کے ممبر کی اُجرت دوسرے ماتحت ممبران کی محنت پر مشروط ہوتی ہے جو کہ شرعاً درست نہیں ہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ ایک کمپنی میں کوئی رجسٹریشن فیس کے داخل ہوگیا؛ البتہ اس کی آمدنی اس کمپنی کی مصنوعات کوخریدنے پر موقوف ہے جب وہ اس کی مصنوعات کوخریدے گا تو اسے ایک پلے کارڈ کی شکل میں اجازت نامہ مل جاتا ہے جس کے ذریعہ سے وہ دوسرے لوگوں کو بھی اسی طرح شامل کرتا ہے جس طرح وہ شامل ہوا تھا؛ مگر اُس پہلے والے شخص کو ہر ماہ اس کمپنی کی مصنوعات خریدنی ہوتی ہیں، اگر خریدنا بند کرتا ہے تو دو چیزیں لاحق ہوسکتی ہیں: (۱) یا تو اُس کی آمدنی میں سے گراوٹ ہوگی (۲) یا پھر وہ کمپنی سے خارج کردیا جائے گا؛ البتہ وہ لوگوں کو شامل کرتے کرتے اس درجہ تک پہنچ جاتا ہے کہ اب کسی آدمی کو شامل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی؛ لیکن وہ اپنے ماتحت لوگوں کی محنت کی کمائی میں اس کو بھی ہر ماہ کمیشن ملتا رہتا ہے، تو اس طرح کی کمپنی میں جُڑ کر کام کرنا اور اس کی آمدنی کا استعمال کرنا شرعاً جائز نہیں ہے؛ کیونکہ اس میں ''صفقۃ فی صفقۃ'' لازم آرہا ہے، جو شریعت میں جائز نہیں ہے، یعنی ایک معاملہ کو دوسرے معاملہ میں اس طرح شامل اور لازم کیا جاتا ہے کہ ایک کے بغیر دوسرا پایۂ تکمیل کو نہ پہنچ سکے اور اس معاملہ میں پہلا آدمی دوسرے کے بغیر ناتمام ہے اور دوسرا پہلے کے بغیر ناتمام ہے، جبکہ ایسا کرنے کو بہت ساری صحیح روایات میں صراحتاً منع کیا گیا ہے۔

(۳) تیسری صورت یہ ہے کہ کمپنی میں بنا کوئی رجسٹریشن فیس کے شامل ہوسکتے ہیں اور شامل ہونے کے بعد صرف ایک مرتبہ اس کی مصنوعات کوخریدنا پڑتا ہے، پھر اگلی بار خریدیں یا نہ خریدیں یہ اختیاری ہوتا ہے؛ البتہ جیسے یہ پہلے والا شخص کمپنی کی مصنوعات کوخرید کر مصنوعات کا حق دار بنا ایسے ہی دوسرے شخص کو بھی وہ اس میں شامل کرتا ہے؛ مگر اس میں دوسرے کمپنیوں کے مقابلہ میں قدرے فرق یہ ہے کہ پہلا آدمی دوسرے آدمی کا رجسٹریشن کراونے سے یہ کمیشن کا حق دار نہیں بنتا؛ البتہ دوسرے آدمی کو کمپنی کی مصنوعات خریدنی ہوتی ہے، اس میں (یعنی خریدنے میں) کوئی زبردستی نہیں ہوتی، اگر دوسرا آدمی اس کمپنی سے اس کی مصنوعات خریدتا ہے تو پہلے آدمی کو بھی اس کا کمیشن ملتا ہے اور یہ کمیشن جائز ہے اور اس کی آمدنی بھی حلال ہے، اس وقت تک جب تک کہ وہ اپنی ذاتی محنت سے لوگوں کو کمپنی میں شامل کرکے اس کے مصنوعات فروخت کرتا ہے، جب یہ آدمی اپنی محنت ختم کرکے دوسروں کی محنت کا کمیشن کھانے لگے تو یہ صورت ناجائز ہوگی، یہ مسئلہ ایسے ہی ہے جیسے کسی دکاندار نے کسی آدمی سے یہ کہا کہ آپ ہماری دُکان پر کسٹومر لے کر آؤ اور وہ کسٹومر کچھ ہماری دکان سے خریداری کرے تو آپ کو اس کا کمیشن ملے گا تو یہ جب تک لگوں کو اس کی دکان پر لائے گا اور وہ کسٹومر اس کی دکان سے خریدے گا تو جو کمیشن دلال کو ملتا ہے وہ جائز ہے، گویا کہ یہ دلال کے حکم میں ہے اور دلال کی اُجرت از روئے شرع جائز ہے۔

اس کی دوسری صورت عدمِ جواز کی یہ ہے کہ جب پہلا آدمی اس درجہ تک پہنچ جائے کہ اس کے ماتحت میں کام

کرنے والے لوگ اتنے زیادہ ہوگئے کہ اب پہلے والے شخص کی محنت کی ضرورت نہیں؛ بلکہ وہ اپنے ماتحت لوگوں کی محنت کا کمیشن کھانے لگے تو یہ صورت بھی اس میں جائز نہیں ہے۔

مذکورہ بالا صرف تین صورتیں نیٹ ورک مارکیٹنگ کی ہوئی؛ مگر اس کے علاوہ اور بھی بے شمار کمپنیاں وجود میں آچکی ہیں اور بہت ساری مستقبل میں آئیں گی؛ لیکن مذکورہ تین صورتیں کثرت سے رائج ہیں اور سینکڑوں لوگ اس سے فائدہ اُٹھا رہے ہیں، اب یہاں اس پر روشنی ڈالنا مناسب معلوم ہوا تو ذکر کردی گئیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو رزقِ حلال نصیب فرمائے اور حرام کے دانے دانے سے حفاظت فرمائے۔ آمین

درسِ حدیث

ہر نعمت کا سوال کیا جائے گا

ازقلم: مفتی عبدالرحمٰن صاحب بنگلوری، ناظم مدرسہ دارالتوحید، اعلیٰ ہلی بنگلور

عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ، قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَوَّلَ مَايُسْأَلُ الْعَبْدَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنَ النَّعِيْمِ أَنْ يُقَالَ لَهُ أَلَمْ نُصِحَّ جِسْمَكَ وَنُرَوِّكَ مِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ

(ترمذي: ج/٢/٦٢)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے دن سب سے پہلے بندے سے نعمتوں کے بارے میں جو سوال کیا جائے گا وہ یہ ہوگا کہ: کیا ہم نے تیرے بدن کو تندرستی نہیں عطا کی تھی اور تجھ کو ٹھنڈے پانی سے سیراب نہیں کیا تھا؟؟۔

تشریح:

عام طور سے لوگوں کے ذہنوں میں جو نعمتیں سمجھی جاتی ہیں وہ مال و دولت کا حاصل ہونا، نیک بیوی کا ملنا، تندرست اولاد کا ہونا اور جائداد کا حصول سمجھا جاتا ہے، یہ اشیاء بھی بیشک نعمتیں ہیں؛ لیکن کسی انسان کے پاس نہ گھر ہو، نہ بیوی و اولاد ہو، نہ مال و دولت ہو، اس کو نعمتوں سے محروم شخص سمجھتے ہیں، اسی غلط فہمی کا ازالہ اس حدیث پاک میں کیا گیا ہے کہ اگر انسان کے پاس بظاہر کوئی نعمت دکھائی نہ دے؛ لیکن صحت اس کے پاس ہو تو یہ بھی قابلِ ذکر نعمت ہے جس کے بارے میں کل ربِّ ذوالجلال سوال کریں گے یا یہ کہ ٹھنڈا پانی ہی کسی کو مل جائے تو یہ بھی خدا کی نعمتوں میں سے ایک بہترین نعمت ہے، جبکہ اکثر لوگ اس کو نعمت ہی نہیں مانتے، اتنی اہم چیزوں (نعمتوں) کے بارے میں بھی خدا کے دربار میں سوال کیا جائے گا۔

اس موقع پر ایک بڑی دلچسپ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ ایک بادشاہ کسی طرح بھٹک کر کہیں اور جنگل میں پہنچ گیا، وہاں اُس کو پیاس لگی؛ مگر آس پاس پانی کا کہیں نام و نشان تک نہیں تھا، پیاس کے ساتھ اس کا اضطراب بڑھتا رہا، یہاں تک کہ مرنے کے بالکل قریب پہنچ گیا تو اچانک اس کے سامنے ایک عارف یا کوئی فرشتہ نمودار ہوا اور بولا کہ اگر میں تمہیں پانی پلادوں تو تم مجھے کیا دو گے؟ بادشاہ نے فوراً جواب دیا کہ آدھا ملک، اس غیبی انسان نے اُس کو پانی پلا دیا، اس کے بعد اُس کا پیشاب رُک گیا، اُس نے لاکھ چاہا کہ کسی طرح پیشاب کرلے؛ مگر نامُراد رہا اور سخت پریشانی میں مبتلا

ہوگیا، آخرکار پھر وہی غیبی انسان نمودار ہوا اور کہا کہ اگر میں تمہارے اس مرض کا علاج کردوں اور تمہارا پیشاب کھل جائے تو مجھے کیا انعام دوگے؟ بادشاہ نے کہا کہ باقی آدھا ملک بھی تمہیں ہی دے دوں گا، اُس نے علاج کیا اور بادشاہ کا پیشاب کھل گیا، تب اس غیبی انسان نے کہا کہ: ''بادشاہ سلامت! آپ اپنا ملک خود سنبھالیے، مجھے اس کی حاجت نہیں ہے؛ لیکن اپنی سلطنت اور اپنے ملک کی حیثیت دیکھ لیجیے کہ (ذرا سے پانی اور پیشاب کے لیے آپ نے تمام ملک وسلطنت کو قربان کرنے کا فیصلہ کرلیا) لہٰذا اتنی بے حیثیت چیز اور اس کی ظاہری چمک دمک پر کبھی گھمنڈ نہ کیجیے گا۔

ایک حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے جبکہ اسی وقت حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما بھی اپنے گھروں سے باہر نکلے ہوئے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا اس وقت تم کس کام سے باہر نکلے ہو، تو بیک زبان ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''بھوک نے ہمیں باہر نکالا ہے یارسول اللہ!''، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، تم جس کی وجہ سے اپنے گھروں سے نکلے ہو مجھے بھی اُسی بھوک نے نکالا ہے''، پھر آپ صلی اللہ علیہ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ہمراہ ایک انصاری صحابیؓ کے مکان پر تشریف لیگئے، جبکہ وہ صحابیؓ گھر پر موجود نہ تھے، انصاری صحابی کی بیوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا تو (اہلاً وسہلاً) خوش آمدید کہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون سے ان کے شوہر کے سلسلہ میں معلوم کیا کہ وہ کہاں ہیں؟ تو خاتون کہنے لگی: ''پانی لانے کے لیے گئے ہیں'' اتنے میں انصاری صحابی تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کو دیکھ کر خوش ہوگئے اور کہنے لگے آج مجھ سے زیادہ خوش نصیب میزبان کوئی نہیں ہے (اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما میرے مہمان ہیں) انصاری یہ کہہ کر کھجور کے درخت سے کھجوروں کا خوشہ لے کر آئے جس میں کچی، درمیانی اور پکی ہوئی کھجوریں تھیں، انصاری صحابی نے کھجوروں کا خوشہ نوش فرمانے کے لیے پیش کیا، پھر انصاری نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اور اس کو پکا کر کے پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما نے کھجور نوش فرمائے اور بکری کا گوشت تناول کیا، جب بھوک ختم ہوگئی کھجور اور گوشت نوش فرمالیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما سے فرمایا: اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! قیامت کے دن آج کی اِس نعمت کے بارے میں بھی سوال کیا جائے گا، تم اپنے گھروں سے بھوک کی وجہ سے نکلے تھے، اب گھروں کو ان نعمتوں سے سیراب ہوکر واپس جارہے ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ کچھ صحابہؓ کی مجلس لگی ہوئی تھی، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر پانی کے آثار تھے، تو صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کیا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش دیکھ رہے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا: ''جی ہاں!''، پھر لوگ مجلس میں غنی کا تذکرہ کرنے

لگے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس مالداری میں کوئی حرج نہیں جس کے ساتھ اللہ کا تقویٰ ہو، اللہ سے ڈرنے والوں کے لیے صحت غنی سے بہتر ہے، آدمی کا خوش حال رہنا بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔

ایک روایت میں وارد ہے کہ جب آیت ﴿ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ''ہم کونسی نعمتوں میں ہیں؟'' جبکہ ہم جَو کی روٹی آدھا پیٹ کھاتے ہیں''، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وحی بھیجی، ان (صحابہؓ) سے کہیے: کیا تم جوتے نہیں پہنتے ہو، اور ٹھنڈا پانی استعمال نہیں کرتے ہو؟ یہ بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ہیں۔

ذرا انصاف کیجیے! صحابہؓ جَو کی روٹی سے آدھا پیٹ کھانے کے بعد بھی ربِ ذوالجلال نے فرمایا کہ ٹھنڈا پانی اور جوتوں کا ہونا بھی اللہ کی نعمت ہے، ہم اپنا جائزہ لیں کہ صبح سے شام تک اللہ کی کتنی نعمتیں استعمال کرتے ہیں، اس کے باوجود بھی ناشکری اور شکوے کرتے رہتے ہیں، آج ہم پر سہولتوں اور نعمتوں کا دروازہ کھلا ہوا ہے، کھانے پینے میں، رہنے سہنے میں ہر نعمت میں اضافہ اور بہتری کے باوجود ربِّ ذوالجلال کا شکر ادا کرنے سے محروم ہیں جبکہ ربِّ ذوالجلال ارشاد فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ (پارہ نمبر ۱۵، سورۂ بني إسرائيل، رقم الآية ۳۶ ركوع نمبر ٤)

بیشک کان، آنکھ اور دل ان سب کی اُس سے پوچھ ہوگی۔

(شیخ الہندؒ)

تشریح:

یعنی بے تحقیق بات زبان سے مت نکال نہ اس کی اندھا دھند پیروی کر، آدمی کو چاہیے کہ کان، آنکھ اور دل و دماغ سے کام لے کر اور بقدرِ کفایت تحقیق کر کے کوئی بات منہ سے نکالے یا عمل میں لائے، سنی سنائی باتوں پر بے سوچے سمجھے یوں ہی اٹکل پچّو کوئی قطعی حکم نہ لگائے یا عمل درآمد شروع نہ کر دے، اس میں جھوٹی شہادت دینا، غلط تہمتیں لگانا، بے تحقیق چیزیں سن کر کسی کے درپئے آزار ہونا یا بعض وعداوت قائم کر لینا، باپ دادا کی تقلید یا رسم ورواج کی پابندی میں خلافِ شرع اور ناحق باتوں کی حمایت کرنا، اَن دیکھی یا اَن سُنی چیزوں کو دیکھی یا سُنی ہوئی بتلانا، غیر معلوم اشیاء کی نسبت دعویٰ کرنا کہ میں جانتا ہوں یہ سب صورتیں اس آیت کے تحت میں داخل ہیں۔ یاد رکھنا چاہیے کہ قیامت کے دن تمام قویٰ کی نسبت سوال ہوگا کہ ان کو کہاں کہاں استعمال کیا تھا، بے موقع تو خرچ نہیں کیا؟ (فوائد عثمانیؒ)

روایتوں میں وارد ہے کہ جب یہ ﴿ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ﴾ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ! کونسی نعمتوں کا سوال ہوگا؟ جب کم استعمال کے لیے صرف پانی اور کھجوریں ہیں، دشمن ہمارے سامنے

موجود ہے اور ہمارے گردنوں میں تلواریں لٹکی ہوئی ہیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پانی اور استعمال کی اشیاء بھی اللہ ہی کی نعمت ہیں۔

ایک حدیث ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو بلائیں گے اور اس کو اپنے سامنے کھڑا کریں گے، اس کو دنیا میں عطاء کی ہوئی عزت کے بارے میں پوچھیں گے جیسا کہ اس کے مال کے متعلق سوال کریں گے''۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ دنیا میں ربِّ ذوالجلال کی طرف سے عطا کردہ عزت وشہرت کے بارے میں بھی سوال ہوگا، اسی وجہ سے امام دارالہجرت امام مالک رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: صحت بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے اور خوش حالی بھی اللہ کی نعمت ہے، یہاں تک کہ سکون وار عافیت کے ساتھ نیند بھی اللہ کی نعمتوں میں سے ایک عظیم نعمت ہے، اس پر قرآن شریف کی یہ آیتیں بھی دلالت کرتی ہیں کہ چار چیزیں اللہ کی نعمت ہیں، بھوک جس سے ختم ہو وہ کھانا اللہ کی نعمت ہے، پیاس جس سے بجھے وہ پانی بھی اللہ کی نعمت ہے، گرمی میں سکون کی جگہ وہ مکان بھی اللہ کی نعمت ہے، اسی طرح ننگے بدن کے لیے کپڑا بھی اللہ کی نعمت ہے جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿اِنَّ لَکَ اَلَّاتَجُوْعَ فِیْهَا وَلَاتَعْرٰی ○ وَاَنَّکَ لَاتَظْمَؤُ فِیْهَا وَلَاتَضْحٰی ○﴾

تجھ کو یہ ملا ہے کہ نہ بھوکا ہو تو تو اُس میں اور نہ تنگ اور یہ کہ نہ پیاس کھینچے تو اُس میں اور نہ دھوپ۔

(پ:١٦، سورۂ طٰہٰ، رقم الآیۃ:١١٨-١١٩) (شیخ الہندؒ)

تشریح:

انسان کی یہ ہی بڑی ضرورتیں ہیں، کھانا، پینا، پہننا اور رہنے کے لیے مکان جس میں دھوپ، بارش کا بچاؤ ہو، جنت میں اس طرح کی کوئی تکلیف نہیں، ہر طرح راحت ہی راحت ہے۔ ع

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد

یہاں راحت کا ذکر نہیں کیا، صرف تکلیفوں کی نفی کی، شاید متنبہ کرنے کے لیے کہ یہاں سے نکلے تو ان سب چیزوں کی تکلیف اُٹھاؤ گے۔ (فوائدِ عثمانیؒ)

اس سے معلوم ہوا کہ ضرورتِ انسانی کی اشیاء کا مہیہ ہونا بھی اللہ کی نعمت ہے، ان نعمتوں کے بارے میں بھی اللہ کل قیامت میں سوال کرے گا۔

اللہ ہم تمام کو نعمتوں کی صحیح قدر دانی کی توفیق عطا کرے، آمین۔

❑❖❑

تذکرۂ صحابہؓ (قسط دوم)

دینی خدمت گزاروں کے معاش کا مسئلہ

ازقلم: فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی، ترجمان وسکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

اب سوال یہ ہے کہ اس مسئلہ کا حل کیا ہے؟ اس سلسلہ میں چند نکات عرض کیے جاتے ہیں:

(۱) نوجوان فضلاء کو سوچ سمجھ کر دینی خدمت کے میدان میں قدم رکھنا چاہیے، ان کے سامنے اپنے معاصرین اور بزرگوں کے تجربات ہیں، اگر وہ اس کو برداشت کر سکتے ہیں، تب تو دینی خدمت کے راستہ میں آئیں، نہیں تو معاش کے لیے کوئی اور راستہ اختیار کرلیں اور حسبِ سہولت اپنے علم وعمل کے ذریعہ لوگوں کو فائدہ پہنچائیں، دینی خدمت کی حیثیت ان کے لیے ایک ضمنی کام کی ہو، اصل کام کی نہ ہو، اپنی مرضی سے اس راہ میں آنا اور پھر دوسروں سے شکوہ سنج ہونا کوئی معقول بات نہیں ہے، اور اس سے طبقۂ علماء کا وقار مجروح ہوتا ہے۔

(۲) دینی خدمت کرتے ہوئے الگ سے کوئی چھوٹی موٹی تجارت یا صنعت کو اختیار کرلیں، اس سے انشاء اللہ معاشی تنگ حالی کا تدارک ہوسکتا ہے، سلف صالحین کے یہاں اس کی ڈھیر ساری مثالیں موجود ہیں، امام قدوریؒ جیسے فقیہ ہانڈی بنانے کا کام کرتے تھے، امام ابوبکر جصاصؒ کو تو چونے کا کام کرنے کی وجہ سے ہی جصّاص کہا جاتا ہے، زیّات کا معنی تیل نکالنے والے یا فروخت کرنے والے کے ہیں، اسی نسبت سے امام زیات معروف ہیں، جو بڑے عالم تھے، امام ابوحنیفہؒ ریشمی کپڑوں کے تاجر تھے، اس سے اوپر جائیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا شمار بڑے تاجروں میں تھا، حضرت عمرؓ بھی تجارت کرتے تھے، اس سے اور اوپر جائیں تو بہت سے انبیاء کے بارے میں بھی منقول ہے کہ وہ صنعت وحرفت سے فائدہ اٹھاتے تھے، حضرت آدم علیہ السلام زراعت کرتے تھے، حضرت ادریس علیہ السلام خیاطی کرتے تھے، حضرت داؤد علیہ السلام زِرہیں بنایا کرتے تھے اور مویشی پالن کا کام ارشاد نبوی کے مطابق تقریباً تمام ہی انبیاء کرام نے کیا ہے، آپ علیہ السلام نے ہنر جاننے والے مسلمان کی تعریف فرمائی ہے: ''**إن اللّٰہ یحب المؤمن المحترف**'' (الترغیب والترہیب، حدیث نمبر: ۲۳۳۵، بحوالہ طبرانی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: طاقتور مومن کمزور مومن سے بہتر ہے: ''**المؤمن القوي خير من المؤمن الضعيف**'' (مسلم، حدیث نمبر: ۲۶۶۴) طاقت صرف جسمانی ہی نہیں ہوتی ہے، علم وفضل اور ہنر کی بھی ہوتی ہے، گویا آپ کے اس ارشاد میں ہنرمند مسلمان کی بھی تعریف کی گئی ہے۔

موجودہ دور میں بہت سے پیشہ وارانہ کورسس شروع ہوئے ہیں، جن کو مدارس کے اساتذہ اور مساجد کے خدام گھنٹے دو گھنٹے لگا کر انجام دے سکتے ہیں، جن علماء کے لیے اپنی خدمت کا مقررہ معاوضہ کافی نہیں ہے، وہ ایسے ہنر سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، ہم لوگوں نے اپنی طالب علمی میں دیکھا ہے کہ بعض اساتذہ عصر کے بعد اپنے کتب خانہ میں بیٹھ کر کتابیں فروخت کرتے تھے اور بعض کتابت کرتے تھے، بعض جلد سازی کرتے تھے، بعض دیسی علاج سے لوگوں کی خدمت کرتے تھے؛ ٹکنالوجی کی ترقی کی وجہ سے اب تو ہنر کا میدان اور وسیع ہو گیا ہے، جس کے ذریعہ کوئی بھی آدمی اپنی آمدنی میں مناسب اضافہ کر سکتا ہے، بڑھاپے کی عمر میں کسی نئی چیز کا سیکھنا بہت مشکل ہوتا ہے؛ لیکن جوانی کی عمر میں سیکھنا مشکل نہیں ہوتا، اب یہی دیکھیے کہ کتابت کی جگہ کمپوزنگ نے لے لی اور کمپیوٹر کے ذریعہ کتنے سارے کام کیے جا سکتے ہیں، کتابت کے، ڈیزائننگ کے، بحث وتحقیق کے، ترجمہ کے وغیرہ وغیرہ، اسی طرح آن لائن تدریس اور آن لائن تجارت کا راستہ کھل گیا ہے، جس سے بہت سے نوجوان علماء وابستہ ہیں، اور میں نے سنا کہ یہ کام بہت کم پیسوں میں اور بہت کم وقت میں ہو جاتا ہے، اللہ کا شکر ہے کہ اس طرح کے بہت سارے کام موجودہ دور میں پیدا ہو گئے ہیں جو خادمین دین کے لیے تقویت کا باعث ہو سکتے ہیں۔

(۳) اس سلسلہ میں سب سے اہم ذمہ داری اولیاء اور سرپرستوں کی ہے، جو شخص اپنے بچوں کو دینی تعلیم میں لگاتا ہے یقیناً اس پر یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مستقبل میں اس کی یہ اولاد معاشی اعتبار سے کمزور ہوگی تو اس کو چاہیے کہ وہ اگر تجارت یا کاروبار میں ہے تو یا تو اپنی اس اولاد کو آئندہ عملی طور پر کاروبار میں شریک کر لے، یا اپنی طرف سے ایک حصہ جیسے پندرہ فیصد، دس فیصد اس کو ہبہ کر دے اور نفع کا اتنا حصہ اس اولاد کو دے اور دوسرے بچوں کو سمجھا دے کہ چوں کہ تمہارا یہ بھائی آئندہ دین کی خدمت کرے گا اور اس کا ثواب ہم سبھوں کو پہنچے گا؛ اس لیے تم اس کا برا نہیں مانو گے؛ تاکہ وہ اپنے تمام بھائی بہنوں کے ساتھ سر اُٹھا کر زندگی گزار سکے، جہاں ہم دینی تعلیم دلانے کی ترغیب دلاتے ہیں، وہیں سرپرستوں کو اس کی ترغیب بھی دیں اور اگر کوئی شخص اپنی جائیداد میں سے کچھ حصہ کسی خاص مصلحت کی وجہ سے اولاد میں سے کسی ایک کو ہبہ کر دے تو اس کی گنجائش ہے۔

(۴) ان سب کے علاوہ مدارس کی انتظامی کمیٹیوں کو بھی خوشنما اور پُرشکوہ تعمیرات اور عظیم الشان جلسوں کی بھیڑ کے مقابلہ اساتذہ کی ضروریات پر زیادہ توجہ دینی چاہیے، ان کی تنخواہیں بڑھائی جائیں، ان کے لیے فیملی کے ساتھ رہائش کا انتظام کیا جائے؛ تاکہ وہ کرایہ کے بوجھ سے بچ سکیں، زیادہ خرچ طلب بیماریوں میں ان کا تعاون کیا جائے، چھوٹی موٹی بیماریوں کے علاج کے لیے یا تو مدرسہ میں کلینک کھولی جائے یا کسی پرائیویٹ کلینک سے رابطہ رکھا جائے، جہاں سے ان کو سستی دوا فراہم ہو سکے، جہاں غلہ کی وصولی طلبہ کی خوراک سے بڑھ کر

ہوتی ہو، وہاں رعایتی نرخ پر اساتذہ کو غلہ فراہم کیا جائے، اسی طرح ایسا فنڈ مقرر کرنے کی کوشش کی جائے جس سے اساتذہ چھوٹے موٹے کاروبار کے لیے قرض حاصل کرسکیں اور اس کو آسان قسطوں میں ادا کرسکیں۔

(۵) مساجد کا تعلق چوں کہ براہِ راست عوام میں صاحب ثروت شخصیتوں سے ہوتا ہے؛ اس لیے ان کو اور زیادہ توجہ کی ضرورت ہے، وہ جزوی طور پر ائمہ کو تجارت کے لیے سہولتیں مہیا کرسکتے ہیں، مثلاً مسجدوں میں اکثر ملگیاں بنائی جاتی ہیں، کوشش کی جائے کہ وہاں دو ملگیاں خدام مسجد کو دی جائیں، اس کی کرایہ داری ان کے نام منتقل نہ کی جائے؛ کیوں کہ آج کل مساجد کی املاک کو لوگ اپنی ملکیت سمجھنے لگتے ہیں، اگر کرایہ داری ان کے نام کردی جائے اور خادمین مسجد وہاں سے استعفاء دے دیں تو واپس لینا دشوار ہوجائے گا، اور جن دیگر حضرات سے یہ خدمت متعلق ہوگی پھر وہ اس سہولت سے محروم ہوجائیں گے؛ اس لیے امام ومؤذن کو زبانی طور پر کرایہ دار بنادیا جائے اور ان سے رعایتی کرایہ لیا جائے۔

(۶) مدارس کو اِس بات پر غور کرنا چاہیے کہ وہ تعلیم کو مختلف مراحل میں تقسیم کریں اور ہر مرحلہ کے لیے الگ الگ سند جاری کریں، جیسا کہ بعض درسگاہوں میں ہے، اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جو ذہنی صلاحیت اور مالی استطاعت کے لحاظ سے فضیلت تک پڑھنے کے لائق نہیں ہوں گے، وہ نیچے کے مرحلہ کو مکمل کرکے دین کی ایسی خدمت میں مصروف ہوجائیں گے، جس کے لیے ان کی یہ استعداد کافی ہوجائے، یہ بات قابلِ غور ہے کہ نورانی قاعدہ اور عربی وفارسی کی ابتدائی کتاب پڑھانے والوں کو تفسیر وحدیث کی اعلیٰ کتابوں کے پڑھنے کا مکلّف کیوں بنایا جائے؟ وہ کوئی ہنر سیکھ کر بے تکلف اس کو اپنا ذریعۂ معاش بھی بنا سکیں گے، ایسی صورت میں ان کو اپنی نسبتاً کم تنخواہ پر قناعت کرنا آسان ہوجائے گا، اور حالاں کہ پیشہ وارانہ کاموں کو انجام دینے میں کوئی بے عزتی نہیں ہے؛ لیکن رواج اور ماحول کے لحاظ سے وہ جو شرمندگی محسوس کرتے ہیں، وہ بھی نہیں ہوگی۔

(۷) اب ضرورت ہے کہ مدارس میں بھی فنی تعلیم دی جائے، دارالعلوم دیوبند میں اس کے لیے پہلے دارالصنائع قائم تھا، جس کے تحت مختلف قسم کی فنی تعلیم فراہم کی جاتی تھی، طبیہ کالج بھی تھا، جس سے بہت سے فضلاء نے طب یونانی کی تعلیم حاصل کی، اب نہ صرف ان شعبوں کو واپس لانے کی ضرورت ہے؛ بلکہ فنی ماہرین کے مشورہ سے اضافہ کی ضرورت بھی ہے؛ تاکہ جب طلبہ فارغ ہوں، ان کو کہیں ایسی جگہ کام کرنے کی ضرورت پیش آئے، جہاں تنخواہ کم ہو تو ان صلاحیتوں سے کچھ زائد آمدنی کا انتظام ہوسکے اور وہ استغناء کے ساتھ اپنی زندگی گزار سکیں۔

حاصل یہ ہے کہ:

(الف) دینی مدارس ہمارے ملک میں اسلام کے بقا کا ذریعہ ہیں اور اساتذہ اس کی روح ہیں؛ اس لیے ہر قیمت پر ہمیں مدارس کو تقویت پہنچانی چاہیے۔

(ب) مدارس کی انتظامیہ کو چاہیے کہ طلبہ واساتذہ کی ضروریات کو اپنی توجہات کا اوّلین ہدف بنائیں۔

(ج) فضلاء کو چاہیے کہ وہ تعلیمی ودینی ضرورت کے لیے مدارس اس طرح قائم نہ کریں کہ لوگوں کو خیال ہو کہ بطور ذریعہ معاش یہ ادارے قائم کیے جارہے ہیں۔

(د) جن لوگوں میں اس راہ کی دشواریوں کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہے، وہ اس راستہ کا انتخاب نہیں کریں؛ بلکہ دوسرا ذریعۂ معاش اختیار کر کے ضمنی طور پر حسبِ موقع اور حسبِ صلاحیت دینی خدمت انجام دیں۔

(ہ) اخبارات میں یا سوشل میڈیا پر اپنی معاشی تنگ دستی کا ذکر کر کے اپنے وقار کو ٹھیس نہ پہنچائیں، اس کی وجہ سے کوئی مدد کے لیے ہاتھ تو نہیں بڑھائے گا؛ لیکن خود اپنی رسوائی ہوگی اور علماء کی قدر ومنزلت عوام کے دل میں کم ہو جائے گی۔

(و) خاندان کے لوگ بھی اپنی صف سے اٹھنے والے عالم دین کے ساتھ خصوصی ہمدردانہ سلوک کریں اور ان کو معاشی اعتبار سے تقویت پہنچائیں۔

(ز) موجودہ حالات میں مدارس کے وسائل آمدنی کو متأثر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، چرم قربانی کی آمدنی تقریباً ختم ہوگئی، مدارس کی اصل آمدنی تجار حضرات سے ہوتی ہے، ان کا کاروبار بھی متأثر ہے اور وہ دینی کاموں کی مدد کرنے میں قانونی دشواریاں بھی محسوس کرتے ہیں؛ اس لیے اصحابِ خیر کا فریضہ ہے کہ وہ پہلے اداروں کے بارے میں اچھی طرح تحقیق کرلیں، اگر ممکن ہو تو خود جا کر دیکھ لیں اور مطمئن ہونے کے بعد پھر زیادہ سے زیادہ اُن کا تعاون کریں۔

❑❖❑

اصلاحِ معاشرہ

سپاہِ تازہ کی ذمہ داری

ازقلم: مولانا محمد عمرین محفوظ رحمانی صاحب، سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

مدارسِ اسلامیہ سے ماہِ شعبان میں بڑی تعداد میں علماءِ کرام فارغ ہوتے ہیں، یہ وہ طلبہ ہوتے ہیں جو قربانی دے کر مدارس میں آٹھ دس سال گزارتے ہیں، نصاب کی تکمیل پر انہیں سندِ فراغت وفضیلت عطا کی جاتی ہے اور اب وہ ''علماء'' بن جاتے ہیں۔

ان میں سے کچھ وہ ہوتے ہیں جو ائمہ مساجد کی حیثیت سے خدمت انجام دیتے ہیں، کچھ مدارس میں مدرس بن جاتے ہیں، کچھ مکاتب سے جُڑ جاتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جو تلاشِ معاش میں تدریس اور امامت کو چھوڑ کر کسی اور تجارت سے جُڑ جاتے ہیں، کوئی شبہ نہیں کہ مدارس کے ان قائدین اور فضلاء کی خدمت عظیم ہے اور ان کا مقام بلند ہے؛ لیکن یہ بات بھی اب بڑی شدت کے ساتھ محسوس ہونے لگی ہے کہ مدارس کے ان فضلاء کی ایک بڑی تعداد دینی خدمات سے جُڑنے کے بجائے تجارت، زراعت اور دوسرے ذرائع معاش کی طرف متوجہ ہو جاتی ہے اور کچھ عرصہ کے بعد ان کی دینی شناخت اور مذہبی حیثیت ختم ہو جاتی ہے۔ حلال روزی کی تلاش اور اس کے لیے محنت وکاوش نہ ممنوع ہے اور نہ مکروہ، اسلاف اور قدیم علماء میں کتنے ایسے بزرگ گزرے ہیں جنہوں نے علومِ دینیہ کی عظیم خدمات انجام دیں، مایہ ناز کتابیں تصنیف کیں اور اپنی حلال روزی مختلف پیشوں یا تجارت کے ذریعہ حاصل کرتے رہے، امام ابوحنیفہؒ سراج الامت اور امام الائمہ تو ہیں ہی، ساتھ ہی بڑے تاجر اور صاحبِ ثروت انسان بھی، دیگر بزرگوں میں کوئی حلوائی ہے تو کوئی حلاج (رُوئی دُھننے والا) کوئی نصّاف ہے تو کوئی خصّاف، تجارت اور ذرائع معاش کی مشغولیت کے باوجود انہوں نے اپنے علمی امتیام اور دینی خدمت اور دینی خدمت کو اس طور پر جاری رکھا کہ ان کا نام اور کام اب تک باقی ہے اور تا قیامِ قیامت باقی رہے گا، ان شاء اللہ! مدارسِ اسلامیہ کے فارغین کے لیے اسلاف اور بزرگانِ دین کا طرزِ عمل نمونہ ہے، تلاشِ معاش کے انہماک میں اپنی مولویت کو کھو دینا اور اپنی دینی ومذہبی شناخت کا جنازہ نکال دینا بہت ہی نامناسب اور نقصان دہ ہے۔

اُوپر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ تصویر کا ایک رُخ ہے، اس سلسلے میں اس پر توجہ دینا بھی بہت ضروری ہے کہ امت علماءِ کرام کی خدمت اور ان کی ضروریات کی تکمیل کی طرف توجہ دے، آج کل علمائے کرام کو مدارس اور مساجد میں

جو تنخواہیں اور مشاہرے پیش کیے جاتے ہیں وہ ضروریات کی تکمیل کے لیے عام طور پر ناکافی ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ٹرسٹیان کے زور و جبر اور ان کی جانب سے طرح طرح کی پابندیاں اور قیود اس پر مستزاد! اس صورتِ حال کی وجہ سے بھی تازہ علماء و فارغین مدارس، مساجد کی خدمت کے علاوہ دوسری راہوں کی تلاش میں لگ جاتے ہیں؛ اِس لیے اس کی اصلاح بھی ضروری ہے اور مدارس و مساجد پر غیر علماء اور نااہل حضرات کے تسلط کا خاتمہ بھی وقت کی اہم ضرورت ہے۔ مساجد کے متولی اور مدارس کے ٹرسٹی ان کو بنایا جانا چاہیے، جو صالح دیندار اور علماء کے قدر دان ہوں اور مدارس و مساجد کا نظام سنبھالنے کی اہلیت رکھتے ہو، نااہل افراد کو صرف سرمایہ داری اور دولت کی بنیاد پر مسجد کا متولی اور مدرسے کا ٹرسٹی بنانا ناجائز اور حرام ہے اور امانت میں صریح خیانت بھی جس کا ارتکاب اب عام ہوتا جارہا ہے۔

اصلاحِ معاشرہ

مہمان و میزبان کے لئے قابلِ لحاظ امور

ازقلم: حضرت مولانا مفتی سیّد محمد عفان صاحب منصور پوری (صدرالمدرسین جامعہ اسلامیہ عربیہ جامع مسجد، امروہہ)

مہمان کے لیے ایک ادب یہ ہے کہ عین کھانے کے وقت بلا اطلاع کسی کے یہاں نہ جائے، اگر جانا ہے تو میزبان کو پہلے سے مطلع کریں کہ میں فلاں وقت آپ کے یہاں پہنچوں گا؛ تاکہ میزبان انتظام کر سکے۔ بغیر اطلاع کے اگر بروقت کوئی پہنچے گا تو میزبان مروت میں چاہے کھانا کھلا دے؛ لیکن دل میں یہ بات ضرور آئے گی کہ پہلے سے اطلاع نہیں دی گئی۔

قرآن پاک میں بھی ارشاد فرمایا گیا: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَن يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ وَلَٰكِنْ إِذَا دُعِيتُمْ فَادْخُلُوا فَإِذَا طَعِمْتُمْ فَانتَشِرُوا وَلَا مُسْتَأْنِسِينَ لِحَدِيثٍ إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ فَيَسْتَحْيِي مِنكُمْ وَاللَّهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ﴾ (سورۂ احزاب:۵۳)

اے ایمان والو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھروں میں نہ جایا کرو جب تک کہ بلایا نہ جائے، جیسے کھانے کے لیے بلایا جائے یوں نہیں کہ خود ہی اس کے پکنے کا انتظار کرتے رہو۔ ہاں جب تمہیں بلایا جائے تو جاؤ اور جب کھا چکو تو چلے جاؤ یہ نہ ہو کہ باتوں سے دل بہلاتے ہوئے بیٹھے رہو، ہوسکتا ہے کہ تمہارے سوا کسی اور کو وہاں آ کر کھانا ہو یا گھر کی مستورات یا گھر کے لوگوں کو وہاں کھانا ہو۔ تمہارے بیٹھنے کی وجہ سے وہ بار محسوس کریں گے؛ اس لیے کھا کر فارغ ہو جاؤ تو اپنے کاموں کے طرف چلے جاؤ، بے وجہ وہاں بیٹھ کر وقت ضائع کرنے والے مت بنو۔

کوئی پیشکش نہ کرے

اسی طرح ایک ادب یہ بھی ہے کہ کسی خاص چیز کی پیشکش مہمان میزبان سے نہ کرے، الا یہ کہ دونوں کے درمیان بڑی بے تکلفی ہو اور کوئی پیشکش کسی کو ناگوار نہ گزرتی ہو۔ اگر میزبان کی طرف سے اختیار دیا جائے کہ آپ بلا تکلف بتائیے کہ آپ کے لیے کیا بنوایا جائے تب بھی بہتر یہ ہے کہ جس چیز کے بنانے میں سہولت ہو، اُس کا مشورہ دے دیا جائے پھر وہ اپنی مرضی سے جو بنانا چاہے بنائے، اس میں کوئی حرج نہیں، اپنی طرف سے یہ پیغام جانا چاہیے کہ ہم آپ اس پر کسی طرح کی گرانی اور بوجھ ڈالنا نہیں چاہتے۔

ٹوہ میں نہ لگے

اسی طریقے سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ میزبان کے گھر اور اس کے ذاتی امور کے بارے میں تجسس اور ٹوہ مہمان کے اندر نہ ہونی چاہیے۔ بعض لوگوں کو ہر چیز کی گہرائی میں جانے کی دلچسپی ہوتی ہے کہ تم کیا کرتے ہو، تمہاری کتنی تنخواہ ہے؟ کب جاتے ہو؟ کہاں جاتے ہو؟ اور کب آتے ہو۔ اس طرح کے سوالات جو دوسرے کو ناگوار ہوں یا گھر میں موجود چیزوں کے بارے میں زیادہ معلومات حاصل کرنا اچھا نہیں سمجھا جاتا؛ البتہ دو چیزوں کے بارے میں معلومات ضرور حاصل کرنی چاہیے: ایک تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ قبلہ کا رُخ کیا ہے، دوسرے قضاءِ حاجت کے لیے استنجاء خانہ کہاں ہے۔

صاحب خانہ کی نشست گاہ پر نہ بیٹھیں

جب مہمان بن کر کسی کے گھر جائیں تو کمرہ میں جس طرف میزبان آپ کو بٹھانا چاہے، وہیں پر بیٹھیں، یہ نہیں کہ آپ اپنی مرضی سے کمرہ میں کسی جگہ جا کر براجمان ہو جائیں؛ اس لیے کہ مالک مکان جہاں خود بیٹھتا ہے وہ یہ پسند نہیں کرتا کہ دوسرا کوئی یہاں آ کر بیٹھے، حدیث میں آتا ہے: **لا یقعد الرجل في بیته علی تکرمته إلا بإذنه.** (سنن ابو داود) ادب کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ جس کے گھر آپ جا رہے ہیں اُس کی مرضی کے مطابق آپ بیٹھیں، اپنی مرضی کے مطابق نہ بیٹھیں، آپ اپنے گھر کے مالک ہیں وہ اپنے گھر کا مالک ہے، یہاں تو آپ کو اس کے مطابق چلنا ہوگا۔

بار بار نگاہ نہ اٹھائیں

اسی طرح ایک اہم ادب یہ بھی ہے کہ جس طرف سے کھانا آ رہا ہے بار بار ادھر نگاہ اُٹھا کر نہ دیکھیں، یہ بھی بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ہیں پیچھے سے کھانا آ رہا ہے وہ مڑ مڑ کر دیکھتے ہیں کہ کوئی نئی چیز آ رہی ہے، اس ڈش میں کیا آ رہا ہوگا، اس میں بعض دفعہ بے پردگی بھی ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ حرص کا بھی اظہار ہوتا ہے، ادب و تہذیب کا تقاضہ یہی ہے کہ جو سامنا آتا رہے نگاہیں نیچی کر کے اس کو کھاتے رہو، اِدھر اُدھر تانک جھانک کی کوشش نہ کرو۔

میزبان کے لیے دعا کرنا

مہمان کو کھانے سے فراغت کے بعد میزبان کے لیے ان الفاظ میں دعا کرنی چاہیے: ”**أکل طعامکم**

الأبرار وافطر عندكم الصائمون وصلت عليكم الملائكة". (سنن أبوداود) (ترجمہ) اللہ نیک لوگوں کو تمہارا کھانا کھلائے۔ یعنی نیک لوگوں کی آمد تمہارے گھر میں رہے، فرشتے تمہارے لیے رحمت کی دعائیں کرتے رہیں اور روزے دار تمہارے دسترخوان پر افطار کریں۔ بہت جامع دعا ہے، اگر یہ دعائیں میزبان کے حق میں قبول ہوجائیں گی تو اس کی دعوت بھی مقبول ہوگی اور اللہ پاک بے انتہا برکت اس کی روزی میں عطا فرمائیں گے۔

میزبان کے لیے قابل لحاظ امور

میزبان کا یہ اخلاقی فریضہ ہے کہ جو مہمان کھانے کے وقت آپ کے یہاں آیا ہے اُس سے آپ یہ نہ پوچھیں کہ کھانا کھاؤ گے یا نہیں کھاؤ گے؛ بلکہ وقت ہے کھانے کا تو دسترخوان لگا کر جو کچھ ہے اُس کے سامنے پیش کردو، کھانا ہوگا تو کھالے گا، نہیں کھانا ہوگا تو معذرت کردے گا۔ بہت سے لوگ ہیں جو پہلے سے ہی پوچھنے لگتے ہیں کہ کھاؤ گے یا نہیں کھاؤ گے؟ تو بعض لوگ شرماحضوری میں کہہ دیتے ہیں کہ نہیں ابھی دل نہیں چاہ رہا ہے؛ حالانکہ اندر سے کھانے کی خواہش ہوتی ہے؛ لیکن چونکہ بے تکلفی نہیں ہوتی؛ اس لیے وہ اندر کے جذبہ کا اظہار نہیں کرپاتے۔ تو وہ یہ سن کر کہ یہ تو ابھی کھانے سے معذرت کررہے ہیں مطمئن ہوجاتے ہیں کہ چلو ان کو کھانا نہیں کھلانا پڑے گا۔ ادب کا تقاضہ یہ ہے کہ کھانے کا اگر وقت ہے تو پوچھے بغیر کھانے کا انتظام آپ کردیں۔ اسے معلوم ہوگا کہ میرے لیے کھانے کا انتظام ہورہا ہے تو وہ یا تو خود منع کردے گا یا کچھ کھالے گا۔

مہمان کے ساتھ شریک رہیں

اسی طرح ایک ادب یہ ہے کہ جب ہم مہمان کو کھانا کھلا رہے ہیں تو خود بھی اس کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں، الا یہ کہ جگہ تنگ ہے، مہمان ہی اس جگہ کے اندر نہیں بیٹھ پا رہے ہیں، تو میزبان کہاں بیٹھے گا یہ صورتِ حال تو الگ ہے؛ لیکن اگر جگہ میں گنجائش ہے تو مہمان کے ساتھ میزبان کو بھی بیٹھنا چاہیے اور کھانے میں اس کے ساتھ شامل رہنا چاہیے اور جب تک مہمان کھانا کھانا بند نہ کرے اُس وقت تک میزبان کو کھانے کا سلسلہ جاری رکھنا چاہیے، چاہے وہ آہستہ آہستہ ہی کھاتا رہے، لقمے دو لقمے ہی توڑتا رہے؛ لیکن مہمان سے قبل وہ اپنا سلسلہ ختم نہ کرے؛ کیونکہ اگر میزبان نے پہلے کھانا بند کردیا تو مہمان کو لازمی طور پر شرم آئے گی وہ یہ سوچے گا کہ نامعلوم مجھے یہ کیا سمجھیں گے کہ کتنا کھانے والا ہے، یہ تو نمٹ گئے اور میرا کام چل رہا ہے؛ اس لیے میزبان کو آخر تک اس سلسلہ کو جاری رکھنا ہے؛ تاکہ مہمان پیٹ بھر کر اس کے یہاں کھاسکے۔

مہمان کو دیکھ کر خوش ہونا

سئل عن الإمام الأوزاعي ماإكرام الضيف؟ قال: طلاقة الوجه وطيب الكلام. حضرت امام اوزاعیؒ سے پوچھا گیا کہ مہمان کے اکرام کا کیا طریقہ ہے؟ کیسے مہمان کا اکرام کیا جائے؟ تو حضرت نے دو باتیں ارشاد فرمائیں: مہمانی کے لیے دو چیزیں ضروری ہیں، نمبر ایک اس سے ملتے وقت فرحت ومسرت وشادمانی کے آثار ہوں یعنی چہرہ کھلا ہوا ہو؛ کیوں کہ پہلا اثر مہمان پر میزبان کے چہرہ ہی کا پڑتا ہے، اُس کی پیشانی کی لکیروں کا پڑتا ہے، جو لوگ مہمان کو دیکھ کر گرانی محسوس کرتے ہیں ایک نگاہ میں پتہ چل جاتا ہے کہ مہمان کی آمد ان کے لیے بوجھ بن رہی ہے، وہیں سے مہمان کا دل ٹوٹ جاتا ہے، پھر وہ اندر جانا نہیں چاہتا۔ ہم مہمان سے اِس طرح ملیں کہ اگر وہ آنا نہیں چاہتا تو ہماری بشاشت وخوش دلی کو دیکھ کر مجبور ہو جائے گھر میں آنے کے لیے۔

نرم ومہذب گفتگو کرنا

دوسری بات یہ ہے کہ انتہائی نرم گفتگو مہمان کے ساتھ کی جائے، ایسی زبان استعمال نہیں کی جائے کہ آتا ہوا مہمان بھی رخصت ہو جائے؛ بلکہ خوش دلی کا اظہار کرتے ہوئے گفتگو کریں؛ تاکہ وہ بہت بشاشت کے ساتھ آپ کے یہاں آئے، اگر آپ کسی کو کھلائیں گے نہیں، بلائیں گے نہیں؛ لیکن اس سے خوش دلی کے ساتھ مل کر گفتگو کرلیں گے، تو بھی وہ آپ کے حسنِ خلق کا چرچہ دنیا میں کرنے والا ہوگا اور اگر آپ اس کو عمدہ عمدہ پکوان اپنے دسترخوان پر کھلا دیں؛ لیکن سیدھے منھ اس سے بات نہ کریں، نرم کلامی کے ساتھ اس سے پیش نہ آئیں پھر وہ کسی پکوان سے متاثر نہیں ہوگا اور دنیا میں یہی چرچہ کرے گا کہ میاں فلاں صاحب کے یہاں گئے تھے؛ لیکن انہوں نے تو بات کرنا ہی گوارا نہیں کیا، آپ چاہیں ہزاروں کا ناشتہ دسترخوان پر لگا دیں؛ لیکن اصل اثر انسان کے انداز اور اس کی گفتگو کا پڑتا ہے۔

مہمان کو رخصت کرنے کے لیے جانا

سنت کا تقاضہ ہے کہ مہمان کو گھر کے دروازے تک رخصت کرنے کے لیے جایا جائے، اس میں مہمان کا اعزاز ہوتا ہے کہ میزبان نے اس کا اتنا احترام کیا کہ اپنے گھر کے دروازے تک رخصت کرنے کے لیے آئے۔

اگر اس طرح مہمانوں اور میزبانوں کے حقوق ادا کیے جائیں گے، تو دلوں کے اندر محبتیں اور الفت قائم

ہوں گی اور سماج ومعاشرہ کے اندر جوڑ کا اور ملاپ کا مزاج پیدا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس اہم فریضہ کو حسن وخوبی کے ساتھ انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ آج کی دنیا میں یہ معاملات سننے اور سنانے کی حد تک رہ گئے ہیں، اللہ ہمیں معاف کرے، ہم اپنے کاموں میں اتنے مگن ہیں کہ اپنوں ہی کی ہمیں پرواہ نہیں رہ گئی، مہمانوں کی تو خاک پرواہ ہوگی، دوسروں کے حقوق کو ادا کرنا تو بہت دُور کی بات، یہاں تو گھر والوں کے حقوق نہیں ادا ہو پا رہے۔ یہی وجہ ہے کہ مہمانوں کی آمد سے بڑی گرانی اور بوجھ محسوس ہوتا ہے، یہ چیز ہماری زندگی کے اندر نہ ہونی چاہیے، ہمیں تو تلاش کر کے اپنے دسترخوان پر مہمانوں کو لانا چاہیے؛ تاکہ اللہ کی رحمت برابر ہمارے گھر کے اندر نازل ہوتی رہے۔ بظاہر مہمانوں کی ضیافت میں پیسا خرچ ہوگا؛ لیکن ہمیں اس پر سو فیصد یقین رکھنا چاہیے کہ ایک پائی بھی اس راہ میں جو خرچ ہو رہا ہے، تو اللہ پاک اس کے بدلہ میں اتنی برکتیں عطا فرمائیں گے کہ ہم اس کا تصور نہیں کر سکتے۔

اصلاحِ معاشرہ

ماہِ مبارک کا استقبال

ازقلم: محمد عصمت اللہ نظامانی سلّمہٗ، متعلّم تخصّص فی علوم الحدیث/ جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی

رمضان المبارک کے فضائل، امتیازات اور خصائص کسی مسلمان سے مخفی نہیں ہوں گے۔ اِس ماہ کی اہمیت اور اس کے مخصوص اعمال کی بدولت تقریباً تمام باشعور مسلمان اس کا استقبال اور اس کے آنے کی تیاری شروع کر دیتے ہیں؛ لیکن دَورِ حاضر میں یہ نظر آ رہا ہے کہ بہت سے مسلمان اس کا استقبال صرف دنیاوی اور مادی اشیاء جمع کر کے کرتے ہیں۔ مختلف قسم کھانے کی چیزیں، مشروبات اور لباس پوشاک بنانے میں اپنی دولت، اوقات اور توانائی خرچ کرتے ہیں۔ سیرتِ طیبہ میں بیان کردہ طریقے کے مطابق رمضان کی تیاری اور اس کا استقبال نہیں کرتے، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس مبارک مہینے کا نہایت اہتمام سے استقبال فرماتے تھے؛ چنانچہ رجب کا مہینہ شروع ہوتے ہی "**اللّٰھم بارک لنا في رجب و شعبان و بلغنا رمضان**"[1] (اے اللہ! ہمارے رجب اور شعبان بابرکت بنا اور ہمیں رمضان تک پہنچا) یعنی رمضان پانے کی دعا مانگ کر اس ماہِ مبارک کا استقبال کرتے۔ شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزہ رکھ کر ماہِ رمضان کا استقبال فرماتے، اسی طرح شعبان کے آخری دنوں میں رمضان سے متعلق تفصیلی خطاب فرما کر اس مبارک مہینے کا استقبال فرماتے تھے۔ ذیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں اس ماہِ مبارک کے استقبال کا طریقۂ کار ذکر کیا جا رہا ہے؛ تاکہ ہم سب مسلمان اس پر عمل کر کے اس بابرکت مہینے میں اجر وثواب اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی وخوشنودی حاصل کر سکیں۔

رمضان پانے کے لیے دعا کرنا: سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے دع مانگنی چاہیے کہ وہ صحت وعافیت کے ساتھ رمضان المبارک نصیحت فرمائے؛ تاکہ اس مبارک مہینے کی برکتوں اور اس میں نازل ہونے والی رحمتوں س ہم کو بھی حصہ ملے۔ اُوپر یہ بات آ چکی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رجب داخل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ سے رمضان المبارک پانے کی دعا مانگنا شروع فرما دیتے تھے؛ لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سے کہ صحت وعافیت اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ رمضان المبارک نصیب کرنے کی دعا مانگنا شروع کر دیں؛ بلکہ ایک ایسا دَور بھی گزرا ہے جب ہمارے اَسلاف رمضان المبارک سے چھ ماہ قبل ہی یہ رمضان پانے کی دعا مانگنا شروع کر دیتے تھے؛ چنانچہ الترغیب والترہیب لأبی القاسم میں ہے:

(١) المعجم الأوسط للطبراني (١٨٩/٤)، رقم الحديث: ٣٩٣٩، الناشر: دارالحرمين- القاهرة، ط: ١٤١٥هـ.

كانوا يدعون اللّٰه -عزوجلّ- ستة أشهر أن يبلغهم شهر رمضان ويدعون اللّٰه ستة أشهر أن يتقبل منهم.(۱)

ترجمہ: سلف صالحین اللہ تعالیٰ سے چھ مہینے دعا کرتے تھے کہ انہیں ماہِ رمضان نصیب کرے اور (رمضان گزرنے کے بعد) چھے مہینے اس کی قبولیت کی دعا کرتے تھے۔

رمضان آنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر: ہم میں سے بہت سے لوگوں کے رشتہ دار اور جاننے والے جو پچھلے رمضان میں ہمارے ساتھ تھے؛ لیکن اس رمضان میں وہ ہمارے درمیان موجود نہیں؛ بلکہ منوں مٹی کے نیچے ہیں۔ بہت سے نامور اہلِ علم، دیندار اور متعدد مشہور ہستیاں اور کئی گمنام لوگ رمضان آنے سے پہلے ہی راہِ عدم گامزن ہوگئے اور اس رمضان کی رحمتوں، برکتوں اور اعمالِ صالحہ کرنے سے محروم ہوگئے۔ اب وہ بے بس ولاچار اپنی قبروں میں یہ انتظار کررہے ہیں کہ کوئی ان کے لیے استغفار، ایصالِ ثواب، رفعِ درجات کے لیے دعا یا صدقہ وخیرات کرے؛ لیکن وہ خود ہزار چاہت کے باوجود ایک نیکی بھی نہیں کماسکتے؛ لہٰذا رمضان پانے پر اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں یہ رمضان نصیب کیا اور اس کی رحمتیں اور برکتیں کمانے کا موقع دیا۔

فضائلِ رمضان کا استحضار: رمضان المبارک کے استقبال میں یہ بھی شامل ہے کہ اس ماہِ مبارک کے فضائل، اس میں انجام دیے جانے والے اعمال، جیسے روزے، تراویح اور اعتکاف وغیرہ کی فضیلت واہمیت کا استحضار ہو اور ان کا اجر وثواب اچھی طرح معلوم ہو؛ تاکہ پوری بصیرت اور معرفت کے ساتھ اعمالِ صالحہ کرسکیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ماہِ شعبان کے آخر میں اپنے صحابہؓ سے رمضان المبارک سے متعلق خطاب فرماتے اور اس کے فضائل، اس کی راتوں کی اہمیت، لیلۃ القدر، اعتکاف اور ان جیسے دیگر اعمال کے بارے میں ہدایت دیتے تھے؛ چنانچہ ایک طویل حدیث میں ہے:

عن سلمان قال: خطبنا رسول اللّٰه -صلّى اللّٰه عليه وسلم- في آخر يوم من شعبان، فقال: "أيّها الناس قد أظلكم شهر عظيم، شهر مبارك، شهر فيه ليلة خير من ألف شهر..... (الحديث)(۲)

ترجمہ: حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ماہِ شعبان کے آخری دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) الترغيب والترهيب لأبي القاسم الأصبهاني (۳۵٤/۲)، الناشر: دارالحديث -القاهرة، ط: ۱٤۱٤هـ- ۱۹۹۳م.

(۲) صحيح ابن خزيمة، كتاب الصوم، باب فضائل شهر رمضان إن صح الخبر، (۹۱۱/۲)، رقم الحديث: ۱۸۸۷، الناشر: المكتب الإسلامي- بيروت، ط: ۱٤۲٤هـ- ۲۰۰۳م

نے ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! تم پر ایک عظیم اور بابرکت مہینہ آ پہنچا ہے، اس مہینے میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے.....الخ

روزوں سے متعلق مسائل جاننا: رمضان المبارک میں ہر بالغ مسلمان پر روزے فرض ہوتے ہیں؛ اِس لیے رمضان آنے سے قبل ہی روزوں سے متعلق مسائل اور احکام جاننے کی کوشش کی جائے، اس کے لیے مستند کتب کا مطالعہ یا با اعتماد علمائے کرام کی طرف رجوع کرنا چاہیے؛ کیونکہ دین کے بنیادی مسائل کا علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، جس سے اس کے بنیادی عقائد پر لازم عبادات کی ادائیگی درست طریقے سے ہو سکے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "**طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ**"(۱) یعنی علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اور علامہ جصاص اس کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"**طلب العلم فيما يبتلي به الإنسان من أمور دينه**".(۲)

ترجمہ: ان دینی اُمور کا علم حاصل کرنا لازم ہوگا جن میں انسان مبتلیٰ ہے۔

شعبان میں روزے رکھنا: رمضان المبارک کے استقبال میں یہ بھی شامل ہے کہ اس سے کچھ وقت پہلے یعنی شعبان کے مہینے میں روزے رکھے جائیں؛ تاکہ رمضان المبارک میں روزے رکھنا بھی آسان ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شعبان کے مہینے میں کثرت سے روزے رکھتے تھے؛ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

وما رأيته أكثر صياما منه في شعبان.(۳)

ترجمہ: مَیں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان سے زیادہ کسی دوسرے مہینے میں روزے رکھتے نہیں دیکھا۔

اور ایک دوسری حدیث میں ہے: "**صوم شعبان تعظيما لرمضان**"(۴) یعنی ماہِ شعبان کا روزہ رمضان کی تعظیم کے طور پر ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ شعبان کے مہینے میں بقدرِ وسعت روزے رکھنا بھی استقبالِ رمضان میں داخل ہے۔

---

(۱) سنن ابن ماجه، باب فضل العلماء والحث علىٰ طلب العلم، (۸۱/۱)، رقم الحديث: ۲۲٤، الناشر: دارالفكر- بيروت.

(۲) أحكام القرآن للجصاص (۳۷۳/٤)، الناشر: دارإحياء التراث العربي -بيروت، ط:۱٤۰٥هـ.

(۳) صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب صوم شعبان (۳۸/۳)، رقم الحديث: ۱۹٦۹، الناشر: دارطوق النجاة، ط: ۱٤۲۲هـ.

(٤) شرح معاني الآثار للطحاوي، كتاب الصيام، باب الصوم بعد النصف من شعبان إلىٰ رمضان (۸۳/۲)، رقم الحديث: ۳۳۳۰، الناشر: عالم الكتب، ط:۱٤۱٤هـ- ۱۹۹٤م

غریبوں سے تعاون کرنا: رمضان المبارک کے استقبال میں یہ بھی شامل ہے کہ غریبوں اور محتاجوں کا خیال رکھا جائے اور ان کی ضروریات اور حوائج پوری کرنے کی کوشش کی جائے۔ جہاں اپنے لیے سحری وافطاری کا سامان خریدا جاتا ہے وہاں اگر تھوڑا سا راشن وغیرہ کسی محتاج وتنگ دست گھرانے کے لیے بھی خریدا جائے اور ان کی مالی مدد کی جائے تو یقیناً بڑے ثواب کے ساتھ دلی سکون واطمینان بھی حاصل ہوگا۔ اِس سلسلے میں ہمارے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں کثرت سے غرباء ومساکین کی مدد کرتے تھے؛ چنانچہ بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے:

كان رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم أجود الناس، وكان أجود مايكون في رمضان حين يلقاه جبريل.[1]

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان میں اور بھی زیادہ سخی ہوجاتے تھے، جب ان کی جبرئیل علیہ السلام سے ملاقات ہوتی تھی۔

اور ایک مرتبہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ کون سا صدقہ سب سے افضل ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: "**صدقة في رمضان**"[2] یعنی رمضان میں صدقہ کرنا سب سے افضل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہم سب مسلمانوں کو چاہیے کہ رمضان المبارک کا اسی طرح استقبال کریں اور اس کے آنے کی تیاری کریں جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات میں رہنمائی کی گئی ہے؛ تاکہ اس ماہِ مبارک میں نازل ہونے والی رحمتیں اور برکتیں حاصل کرسکیں۔

(١) صحيح البخاري، كيف كان بدأ الوحي إلى رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم، رقم الحديث:٦ (٨/١).

(٢) سنن الترمذي، أبواب الزكاة، باب ماجاء في الصدقة (٥١/٣)، رقم الحديث: ٦٦٣، الناشر: دارإحياء التراث العربي – بيروت.

اصلاحِ معاشرہ

صالح معاشرہ کا قاتل ذات برادری جنون

ازقلم: مولانا نجم الدین صاحب قاسمی انبہٹوی، ناظم مدرسہ خلیلیہ انبہٹہ پیر سہارنپور

آج ہمارے معاشرہ میں ذات پات اور برادری کے نام پر جو کچھ ہورہا ہے اُس سے ہر صاحبِ بصیرت مؤمن دُکھی ہوتا ہوگا۔ مقامِ حیرت یہ ہے کہ عوام وخواص سب برادری اور ذات پاک کی اس غیر منصفانہ اور ظالمانہ تفریق میں مبتلا ہوگئے، علماء کا طبقہ جن سے اُمید تھی کہ وہ عوام کو اس لعنت کے بارے میں متنبہ کریں گے وہ خود بھی اس مرض میں سر سے پیر تک ملوث پائے گئے۔

ہمارے مدارس میں اس مرض نے جو طوفانِ بدتمیزی برپا کیا اس کی مثال زمانۂ ماضی کے جہلا میں سننے کو ملتی تھی۔

پہلے اس تعصب کی بنا پر مدارس ومساجد قائم کیے جاتے ہیں پھر اسی بنیاد پر ان میں تقرر ہوتا ہے، علاوہ ازیں برادری کے نام پر تنظیمیں بنائی جاتی ہیں اور کبھی تو حد سے آگے بڑھ کر اس کا نام بھی برادری کی طرف منسوب کردیا جاتا ہے، بڑے مدارس بھی اس فتنے سے محفوظ نہیں، ان کے بارے میں یہاں تک سننے کو آیا کہ وہاں تقرر کے لیے وجہِ ترجیح برادری ہے، افسوس صد افسوس۔

ہمارے مدرسوں میں ہونے والے جلسوں کے اشتہارات ہوں یا اسٹیج، کیا مجال ہماری برادری سے باہر کا کوئی فرد ہو۔ اپنے اس عمل سے ہم اپنی نسل کی کیا ذہنی تربیت کررہے ہیں؟ اے علمائے کرام! اللہ کے واسطے اس پر توجہ دیں۔

میں نے اپنے جدامجد حضرت مولانا عظیم الدین انبہٹویؒ کو یہ کہتے ہوئے بہت سنا کہ: ''یہ برادری کا بھوت ہمیں جہنم کے گڑھے میں ڈال کر رہے گا''، اگر ان کے اس ملفوظ کو حقیقت کے ترازو میں تولا جائے تو یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہم اس بیماری کی وجہ سے نہ جانے کیسی کیسی غلطیاں کر بیٹھتے ہیں۔

حالانکہ ہم اس مذہب کے پیروکار ہیں، ہم اُس نبی کے نام لیوا ہیں جنہوں نے اس پر بہت سختی سے قدغن لگائی تھی اور اس عالمگیر گمراہی کی اصلاح کی جس سے دنیا میں ہمیشہ گمراہی پھیلی ہے اور جس سے ظلم وزیادتی کی جڑیں مضبوط ہوئی ہیں، وہ یہی موذی مرض تھا نسلی، قومی، وطنی، لسانی اور رنگ کا تعصب۔ قدیم زمانہ سے انسانوں نے انسانیت کو چھوڑ کر اپنے اِردگرد کچھ دائرے کھینچے ہیں جن کے اندر بسنے والوں کو اس نے اپنا اور باہر

والوں کو بیگانہ سمجھا ہے۔ یہ دائرے کسی عقلی یا اخلاقی بنیاد پر نہیں؛ بلکہ اتفاقیہ پیدائش کی بنیاد پر کھینچے گئے ہیں۔ مثلاً ایک قبیلے یا خاندان میں پیدا ہونا، کسی خاص خطۂ زمین پر پیدا ہونا، کوئی خاص زبان بولنا، کسی خاص رنگ ونسل سے متعلق ہونا وغیرہ۔ پھر ان بنیادوں پر اپنے اور غیر کی جو تمیز قائم کی گئی اگر اس میں صرف یہ ہوتا کہ اپنوں سے نسبتاً زیادہ محبت ہوتی، ان سے زیادہ ہمدردی ہوتی، ان سے زیادہ حسنِ سلوک کیا جاتا تو بات بُری نہ تھی؛ مگر اس تمیز نے دوسروں سے نفرت، عداوت، تحقیر و تذلیل کی بدترین صورتیں اختیار کیں، اس کے لیے فلسفے گھڑے گئے، مذہب ایجاد ہوئے، قوانین بنائے گئے، اخلاقی اُصول وضع کیے گئے، قوموں اور سلطنتوں کی اس پر بنیاد رکھی گئی، صدیوں تک اس پر عمل ہوا اور ہو رہا ہے؛ چنانچہ یہودیوں نے اس بنا پر بنی اسرائیل کو خدا کی برگزیدہ مخلوق ٹھہرایا اور مذہبی معاملات تک میں دوسری قوموں کو اپنی قوم سے قروتر رکھا۔ ہندوؤں کے یہاں درم آشرم کو اسی خیال نے جنم دیا، جس کی رو سے برہمنوں کو باقی قوموں پر برتری حاصل ہوئی، اُونچی ذات والوں کے مقابلے میں تمام انسان نیچ اور ناپاک ٹھہرائے گئے، شودروں کو انتہائی ذلت کے گڑھے میں پھینک دیا گیا۔

یاد رکھیں! ہمارے معاشرہ میں جو کچھ چل رہا ہے اس کے بہت خطرناک نتائج ہو سکتے ہیں، قرآن کہتا ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآىِٕلَ لِتَعَارَفُوْا، اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ، اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ ۝﴾ (سورۂ حجرات:۱۳)

''لوگو! ہم نے تم سب کو ایک (ہی) مرد وعورت سے پیدا کیا ہے اور اس لیے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچانو کنبے قبیلے بنا دیے ہیں، اللہ کے نزدیک تم سب میں سے باعزت وہ ہے جو سب سے زیادہ ڈرنے والا ہے، یقین مانو کہ اللہ دانا اور باخبر ہے''۔

نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''یاأیها الناس! ألا إن ربکم واحد، وإن أباکم واحد، ألا لافضل عربي علی عجمي، ولا لعجمي علی عربي، ولا لأحمر علی أسود، ولا لأسود علی أحمر، إلا بالتقویٰ''.

''لوگو! تمہارا رب ایک ہے، تمہارا باپ (آدم) ایک ہے، سنو! کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں نہ کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل ہے، کسی گورے کو کسی کالے پر اور کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، سوائے تقویٰ کے''۔ (مسند احمد:۲۳۴۸۹ صحیح)

اس کے علاوہ بہت بڑا ذخیرہ ہے اس عنوان پر۔ یہ تعلیمات صرف الفاظ کی حد تک محدود نہیں رہیں؛ بلکہ اسلام نے ان کے مطابق اہلش ایمان کی ایک عالمگیر برادری عملاً قائم کر دی جس میں رنگ ونسل، زبان، وطن

اور قومیت کی کوئی تمیز نہ تھی، جس میں اُونچ نیچ، چھوت چھات اور تفریق وتعصب کا کوئی تصور نہ تھا، جس میں شریک ہونے والے تمام انسان خواہ کسی نسل وقوم اور ملک ووطن سے تعلق رکھتے ہوں بالکل مساویانہ حقوق کے ساتھ شریک ہوسکتے ہوں اور ہوئے ہیں، اسلام کے مخالفین تک کو یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ انسانی مساوات اور وحدت کے اُصول کو جس کامیابی کے ساتھ مسلم معاشرہ میں عملی طور پر تشکیل دیا گیا ہے اُس کی کوئی نظیر دنیا کے کسی دین اور کسی نظام نے پیش نہ کی، صرف اسلام وہ دین ہے جس نے روئے زمین کے تمام گوشوں میں پھیلی ہوئی بے شمار نسلوں اور قوموں کو ملا کر ایک امت بنادیا ہے۔

اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

❑❖❑

تحقیقات

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے غارِ ثور کے واقعات

از: مفتی احمد اللہ نثار صاحب قاسمی، ناظم دارالعلوم رشیدیہ وصدر دارالافتاء والارشاد حیدرآباد

واقعہ:

ہجرت کی رات غارِ ثور کے سفر کے دَوران راستہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے چلتے کبھی پیچھے اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں ہوجاتے اور کبھی بائیں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا، تو عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے خیال آتا ہے کوئی سامنے سے نہ آرہا ہو تو مَیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آگے ہوجاتا ہوں اور جب اندیشہ ہوتا ہے کوئی پیچھے سے حملہ نہ کردے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیچھے ہوجاتا ہوں اور کبھی دائیں اور کبھی بائیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرف سے محفوظ ومامون رہیں۔ "**فلما خرج النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم هاربًا من أهل مكة خرج ليلًا فتبعه أبوبكر فجعل يمشي مرّة أمامه ومرة خلفه ومرة عن يمينه ومرة عن يساره فقال له رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم ماهٰذا ياأبابكر ماأعرف هٰذا من فعلك قال يارسول الله! اذكر الرصد فأكون أمامك وأذكر الطلب فأكون خلفك ومرة عن يمينك ومرة عن يسارك لا آمن عليك**". (الرياض النضرة في مناقب العشرة المحب الطبري: ٤٥/١، سبل الهدىٰ والرشاد: ٢٤٠/٣، الباب الرابع في هجرة رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم..... دارالكتب العلمية بيروت ١٩٩٣ء)

(۲) ایک روایت کے مطابق غارِ ثور تک پہنچتے پہنچتے اس پہاڑی سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک زخمی بھی ہوگئے۔ (محمد رسول اللّٰه والذين معه لعبد الحميد جودة السحار: ٥٩/٣، الهجرة، مكتبة مصر) اور ایک روایت کے مطابق راستے میں ایک پتھر سے ٹھوکر لگنے سے پاؤں مبارک زخمی ہوگیا تھا۔ (تاريخ طبري: ٥٦٨/١، تاريخ ماقبل الهجرة مطبوعه دارالكتب العلمية بيروت ١٩٨٧ء) اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے کندھے پر اُٹھالیا۔ "**فمشىٰ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم ليلته علىٰ أطراف أصابعه حتى حفيت رجلاه، فلما رأى أبوبكر أنها قد حفيت حمله علىٰ كاهله وجعل يشتد به حتى أتى به فم الغار**". (الرياض النضرة في مناقب العشرة، المحب الطبري: ٤٥/١، السيرة النبوية لابن كثير: ٢٣٨/٢)

(۳) جب غارِ ثور تک پہنچے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہیں ٹھہریں! پہلے مجھے اندر جانے دیں؛ تاکہ میں اچھی طرح غار کو صاف کرلوں اور کوئی خطرہ کی چیز ہو تو میرا اس سے سامنا ہو؛ چنانچہ وہ اندر گئے اور غار کو صاف کیا، جو بھی سوراخ اور بل وغیرہ تھے اُن کو اپنے کپڑے سے بند کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اندر آنے کی دعوت دی، کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی ران پر سر رکھ کر لیٹ گئے اور ایک سوراخ جس کے لیے کپڑا نہ تھا یا شاید اس وقت نظر نہ آیا ہو اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا پاؤں رکھ دیا۔ ''**والذي بعثک بالحق لاتدخله حتى أدخله قبلک فإن كان فيه شيء نزل بي قبلک فدخل فلم ير فيه شيئًا فحمله وكان في الغار خروق فيها حيات وأفاعي فخشي أبوبكر أن يخرج منها شيء يؤذي رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم فألقمه قدمه**''. (الرياض النضرة في مناقب العشرة، المحب الطبري: ٤٥/١، مقرر السيرة للصف الثالث الإعدادي بقطر، علي محمد جماز –محمد عبدالأنصاري– محمد رياض المراهبي: ٥/١)

(۴) اسی سوراخ سے کوئی بچھو یا سانپ وغیرہ ڈستا رہا، بعض روایات میں ہے کہ چھ سو سال کا ایک سانپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار کے لیے بیٹھا ہوا تھا، جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنا انگوٹھا رکھا تو اس سانپ کو دیدار کا موقعہ نہ مل رہا تھا، تو اس سانپ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انگوٹھے کو ڈس لیا؛ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس ڈر سے کہ اگر کوئی حرکت کی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آرام میں خلل واقع ہوگا جنبش نہ فرماتے، یہاں تک کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو نکل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے مبارک پر گرے؛ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گود میں آرام فرما رہے تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعاب مبارک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے انگوٹھے پر لگایا جس سے آپ رضی اللہ عنہ کا اس کے بعد پاؤں ایسا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اور فرمایا: ابوبکر! اللہ تم پر رحمت نازل کرے، تم میرے ایسے دوست ہو کہ جب قوم نے جھٹلایا تو تم نے میرے تصدیق کی، جب قوم نے مجھے رُسوا کیا تو تم نے میری مدد کی، جب قوم نے میری نبوت کا انکار کیا تو تم مجھ پر ایمان لائے اور میری تنہائی میں میری وحشت کو دُور کیا، بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ: یا اللہ! قیامت کے دن ابوبکر کا مقام میرے مقام کے ساتھ رکھنا۔ ''**لما كانت ليلة رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم في الغار قال لصاحبه أبي بكر أنائم أنت قال لاوقد رأيت صنيعک وتقليک يارسول اللّٰه! فمابالک بأبي أنت وأمي قال حجر رأيته قد أنهار فخشيت أن يخرج منه هامة تؤذيک**

أوتؤذيني فقال أبوبكر يارسول الله فأين هو فأخبره فسد الجحر وألقمه عقبه فقال رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم: رحمک اللّٰه من صديق صدقتني حين كذبني الناس ونصرتني حين خذلني الناس وآمنت بي حين كفر بي الناس وآنستني في وحشتي". (الرياض النضرة في مناقب العشرة، المحب الطبري: ٤٦/١، شرح الزرقاني: ١٢١/٢، باب هجرة المصطفٰى وأصحابه إلى المدينة. دارالكتب العلمية بيروت ١٩٩٦ء)

(۵) اس رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر رضی اللہ عنہ غار میں جانے کے بعد غار پر مکڑی نے جالا بنایا۔"**أنّ النبي (صلّى اللّٰه عليه وسلم) حين دخل الغار ضرب العنكبوت علىٰ بابه بعاش بعضها علىٰ بعض فلما انتهوا إلىٰ فم الغار قال قائل منهم ادخلوا الغار قال أمية بن خلف وما إربكم إلىٰ الغار إن عليه لعنكبوتا كان قبل ميلاد محمد**". (الخصائص الكبرىٰ، أبوالفضل جلال الدين عبدالرحمٰن أبي بكر السيوطي: ٣١٧/١)

(۷) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے مکڑی جالا تننے کے ساتھ غار کے سامنے ایک چھوٹا درخت اُگ گیا اور کبوتر نے گھونسلہ بنا کر انڈے دیے۔"**أمر اللّٰه شجرة فخرجت في وجه النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم تستره، وأن اللّٰه بعث العنكبوت فنسجت مابينهما فسترت وجه رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم، وأمر اللّٰه حمامتين وحشيتين فأقبلتا تدفان حتى وقعتا بين العنكبوت وبين الشجرة**". (السيرة النبوية لابن كثير: ٢٤٠/٢)

حکم:

ہجرت کی رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تین دن غارِ ثور میں ٹھہرنا صحیح احادیث سے ثابت ہے اور کسی درجہ میں مکڑی کا جالا تننا بھی ثابت ہے، اس کے علاوہ تمام باتیں موضوع ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے بیان کرنا درست نہیں ہے۔

وجہ:

(۱) علامہ ابنِ کثیرؒ کی تحقیق: علامہ مناویؒ نے فیض القدیر میں علامہ علاء الدینؒ نے "کنز العمال" میں علامہ سیوطیؒ نے "درمنثور" میں، ابنِ کثیرت نے "البدایہ والنہایہ" میں، علامہ ابونعیم اصبہانیؒ نے "حلیۃ الاولیاء" میں اور امام بیہقیؒ نے "دلائل نبوت" میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے؛ مگر اس روایت کو نقل کرنے کے

بعدعلامہ ابنِ کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ مضمون کافی عجیب وغریب ہے۔"**وفي هٰذا السياق غرابة ونكارة**". (السيرة النبوية لإبن كثير: ٢٣٨/٢) اورایک جگہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں دونوں طرف سے انقطاع پایا جارہا ہے۔"**فيه انقطاع من طرفيه**". (السيرة النبوية لابن كثير: ١٧٩/٣) جن کتابوں کے حوالے سے واقعہ نقل کیا جاتا ہے، اس کتاب کے مصنّف نے جبکہ وہ محدث بھی ہوتو روایت کا کیا حکم بیان ہے اسے بھی اہتمام سے دیکھ لینا چاہیے؛ ورنہ مصنّف کی ایک عبارت نقل کیا جائے اور معاً بعد روایت سے متعلق گفتگو نقل نہ کیا جائے تو علمی خیانت ہوگی۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے بھی جب اس واقعے کو ذکر کیا تو اسی قدر حصے پر اکتفاء فرمایا جو صحیح سند سے ثابت ہیڈ اِس لیے کہ اس میں صرف اتنی مقدار ہی سند کے لحاظ سے درست ہے، باقی حصے کی سند کا حال معلوم ہوجائے گا۔"**ولم يصح عند الحاكم من القصة إلا هٰذا المقدار كما سمعت، ولو صح شيء زائد علىٰ هٰذا لمافاتته**".

(۲) علامہ ذہبی کی تحقیق: مذکورہ واقعہ سے متعلق حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ: یہ روایت قصہ گو صوفیوں کی گھڑی ہوئی چیز کے مشابہ ہے۔"**وهو يشبه وضع الطريقية**". (ميزان الإعتدال: ٥٤٥/٢، حديث:٤٨٠٤، علي محمد البجاري، دارالمعرفة) اوراپنی کتاب ''تاریخ الاسلام'' میں فرماتے ہیں: یہ روایت منکر ہے بیہقی نے اس روایت کو نقل کرکے اس سے سکوت اختیار کیا ہے۔"**وهو منكر، سكت عنه البيهقي**". (تاريخ إسلام: ٦٧٢/١، بشار عواد معروف، ط: دارالغرب الإسلامي) نیز امام ذہبیؒ نے اس واقعے کو ''سیر اعلام النبلاء'' میں ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ واقعہ سند کے لحاظ سے ''منکر'' ہے؛ اسی لیے امام بیہقیؒ نے اس واقعہ کو ذکر کرکے کوئی حکم نہیں لگایا؛ کیونکہ اس واقعہ کی سند میں ''یحییٰ بن ابی طالب'' مجہول اور غیر ثقہ راوی ہے۔"**ذكرها الحافظ الذهبي في سير أعلام النبلاء، وقال بعد ذكر الرواية: وهو منكر سكت عنه البيهقي وساقه من حديث يحيىٰ بن أبي طالب (وذكر السند) ثم قال: وآفته من هٰذا الراسبي فإنه ليس بثقة مع كونه مجهولًا ذكره الخطيب في تاريخه فغمزه**".

(۳-۴) حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ اور حافظ سبط ابن العجمیؒ کی تحقیق: حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''لسان المیزان'' میں حافظ ذہبیؒ کے قول کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے، یعنی ابنِ حجرؒ کے نزدیک بھی یہ واقعہ من گھڑت ہے۔ (لسان المیزان: ۸۱/۵، حدیث: ۴۹۰، تحقیق: عبدالفتاح ابوغدہ)

حافظ سبط ابن العجمیؒ نے ''الکشف الحثیث'' میں حافظ ذہبیؒ کے قول کو نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے۔

(الکشف الحثیث: ۱۶۳، حدیث: ۴۲۴)

(۵) علامہ شبلیؒ کی تحقیق: اپنے اکابرین میں علامہ شبلیؒ لکھتے ہیں کہ ’’مشہور ہے جب کفار غار کے قریب آ گئے تو خدا نے حکم دیا۔ دفعۃً ببول کا درخت اُ گا، اور اس کی ٹہنیوں نے پھیل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپالیا، ساتھ ہی دو کبوتر آئے اور گھونسلا بنا کر انڈے دیے، حرم کے کبوتر انہی کبوتروں کی نسل سے ہیں۔ اس روایت کو ’’مواہب لدنیہ‘‘ میں تفصیل سے نقل کیا ہے، اور ’’زرقانی‘‘ نے ’’مسند بزار‘‘ وغیرہ سے اس کے ماخذ بتائے ہیں؛ لیکن یہ تمام روایتیں غلط ہیں، اس روایت کا اصلی راوی عون بن عمرو ہے۔ اس کی نسبت امامِ فنِ رجال یحییٰ بن معین کا قول ہے۔ ’’لاشــــيء‘‘ یعنی ہیچ ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ: ’’وہ منکر الحدیث اور مجہول ہے‘‘۔ اس روایت کا ایک اور راوی ’’ابومصعب مکی‘‘ ہے، وہ مجہول الحال ہے‘‘؛ چنانچہ علامہ ذہبیؒ نے ’’میزان الاعتدال‘‘ میں ’’عون بن عمرو‘‘ کے حال میں یہ تمام اقوال نقل کیے ہیں اور خود اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے۔ (سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ۱۶۵/۱، مکتبہ مدینہ لاہور)

(۶) اسلام ویب کی تحقیق: اس قصہ کو ’’اسلام ویب‘‘ (islamwec.net/fatwa) میں ’’ضعیف اور نا قابلِ اعتبار قرار دیا ہے‘‘۔ ’’فقصة تعرض أبي بكر للدغ حية له أثناء مرافقته رسول الله صلّى اللّٰه عليه وسلم في غار ثور أثناء هجرته قصة مشهورة، ذكرها أهل السير والتراجم: وممن ذكرها الخطيب فى مشكاة المصابيح فى باب مناقب أبي بكر رضي اللّٰه عنه، وذكرها الحافظ الذهبي في سير أعلام النبلاء، وقال بعد ذكر الرواية: وهو منكر سكت عنه البيهقى وساقه من حديث يحيٰى بن .بي طالب (وذكر السند) ثم قال: وآفته من هٰذا الراسبي فإنه ليس بثقة مع كونه مجهولًا ذكره الخطيب فى تاريخه فغمزه. فالحاصل أن الرواية ضعيفة من حيث السند، ولايعني ذٰلک الجزم بعدم وقوعها‘‘. واللّٰه أعلم. (كتاب فتاوىٰ الشبكة الإسلامية: ۲۸۹/۸، إسلام ويب، تاريخ فتوىٰ: ٦/صفر المظفر/١٤٢٥هـ)

(۷) علامہ علی بن ابراہیم الحشیش کی تحقیق: علامہ علی بن ابراہیم الحشیش نے اپنی کتاب ’’تحذير الداعية من القصص الواهية‘‘ میں پہلا واہی (من گھڑت) قصہ یہی بیان کیا ہے؛ چنانچہ لکھتے ہیں کہ: ’’اس قصہ سے متعلق تیسرا مسئلہ مسئلہ کی تحقیق ہے، مذکورہ قصہ من گھڑت وموضوع ہے، اور موضوع روایت وہ ہوتی ہے جو اپنی طرف سے گھڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردی گئی ہو اور علمائے امت کا اجماع ہے کہ موضوع روایت کو بیان کرنا کسی صورت میں جائز نہیں ہے، مگر یہ کہ اس کے موضوع ہونے کو بیان کرنا مقصود ہو۔ ’’القصة (موضوعة). والموضوع هو الكذب المختلق المصنوع المنسوب إلٰى رسول اللّٰه صلّى اللّٰه

عليه وسلم وأجمع العلماء علىٰ أنه لاتحل روايته لأحد علم حالة في أي معنى كان الامع بيان سبب وضعه". كذا في "التدريب: ۱/۲۷۴". (تحذير الداعية من القصص الواهية: ۷، ط: دارالعقيده بيروت)

(۸) مولانا مکی صاحب دامت برکاتہم کی رائے: مولانا مکی صاحب دامت برکاتہم سے اس واقعہ سے متعلق سوال کیا گیا، کہتے ہیں کہ: ''غارِثور میں داخل ہونے کے بعد سیّدصدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سانپ نے ڈسا تھا؟ تو اپ کا جواب تھا کہ: ''میں کیا ساتھ تھا، جو مولوی ساتھ ہو اُس سے پوچھو، کہتے ہیں روایت میں ہے، کسی صحیح حدیث میں نہیں ہے اور پھر لوگوں نے قصے گھڑے ہیں کہ وہ سانپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتظار میں تھا یعنی سانپ کو علمِ غیب تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی غار میں آئیں گے، اوہ! خدا کا خوف کرو! نہ تمھیں خدا کا ڈر ہے، نہ جہنم کا خوف ہے، سانپ کو کیسے پتہ تھا کہ حضور یہیں آئیں گے، اور ابوبکر ایسے لازماً پاؤں رکھے گا، میں ڈسوں گا، سب قصے ہیں گھڑے ہوئے..... غارِثور کا قصہ قرآن میں ہے، جب قرآن نے ہر چیز بیان کی ہے تو سانپ والا قصہ مولوی کے لیے چھوڑ دیا تھا کہ چودہ سو سال کے بعد سانپ کو پکڑے گا، بس قصے ہیں، **إنّا لله و إنّا إليه راجعون.** دعا کریں! اللہ ہمیں بھی اور انہیں بھی ہدایت دے، یہ ہمارے دشمن تو نہیں ہیں؛ لیکن انہوں نے پیٹ بھرنے کے لیے جھوٹے جھوٹے قصے بیان کیے ہیں۔ سانپ نے نہیں کاٹا تو کس نے کاٹا؟ کسی نے نہیں کاٹا، صرف مولوی نے کاٹا ہے، تم نے دیکھا تھا حضرت (ابوبکر رضی اللہ عنہ) کو زخم لگا تھا۔ (یوٹیوب پر عنوان ہے ''غارِثور میں حضرت ابوبکرؓ کو کاٹنے والا سانپ کون سا تھا؟'' لنک ہے: "youtu.be/zP-4OeibKZc//https")

(۹) مفتی عبدالباقی اخونزادہ صاحب دامت برکاتہم کی تحقیق: مفتی عبدالباقی اخونزادہ صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: ''اس کو روایت کرنے والے راوی ''عبداللہ بن محمد بن جعفر'' ہیں، جن کے متعلق:

۱- ابنِ یونسؒ فرماتے ہیں کہ آخری عمر میں ان کی دماغی کیفیت ٹھیک نہیں رہی اور بہت سی روایات وضع کیں۔ **"قال ابن يونس: خلط في الآخر، ووضع أحاديث علىٰ متون معروفة، وزاد في نسخ مشهورة فافتضح وحرقت الكتب في وجهه".**

۲- امام حاکمؒ نے دارقطنیؒ کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ یہ شخص جھوٹا ہے، اس نے سنن شافعی کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اس میں دو سو ایسی روایات ذکر کیں جو امام شافعیؒ نے بیان نہیں کی تھیں۔ **"وقال الحاكم عن الدار قطني: كذاب، ألف كتاب سنن الشافعي وفيها نحو مائتي حديث لم يحدث بها الشافعي".**

۳- دارقطنیؒ کہتے ہیں کہ عمرو بن حارث کے نسخے میں اس نے سو (۱۰۰) احادیث کا اپنی طرف سے اضافہ کیا۔ **"وقال الدارقطني: وضع في نسخة عمرو بن الحارث أكثر من مائة حديث".**

۴- علی بن رزیقؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایات گھڑتا تھا۔"وقال علي بن رزيق: كان إذا حدث يقول: لأبي جعفر ابن البرقي في حديث بعد حديث: كتبت هٰذا عن أحد. فكان يقول: نعم عن فلان وفلان، فاتهمه الناس بأنه يفتعل الأحاديث، ويدعيها ابن البرقي كعادته في الكذب. قال: وكان يصحف أسماء الشيوخ".

۵- عبداللہ بن محمد بن جعفر کا انتقال ۳۱۵ھ ہجری میں ہوا اور ابونعیم کی پیدائش ۳۳۶ھ ہجری میں ہوئی؛ لہٰذا ان دونوں کی ملاقات کیوں کر ممکن ہے؛ اِس لیے اس روایت کا انقطاع واضح ہے۔"إن عبد اللّٰه بن محمد توفي سنة ۳۱۵ھ، كما في "لسان الميزان" فلاتتم رواية أبي نعيم عنه وهو من مواليد: ۳۳۶". اس کے علاوہ روایت میں جتنے راوی ہیں جیسے:"محمد بن العباس بن ایوب بن اخزم" اِس کو بھی انتقال سے پہلے اختلاط ہو گیا تھا، اس کی روایات جب تک واضح نہ ہوں اُس پر اعتبار کرنا ممکن نہیں، تیسرا راوی "ابومعاویہ محمد بن خازم" مرجئہ فرقے کے سربراہوں میں سے تھا۔(تہذیب التہذیب:۹/۱۳۹) چوتھا راوی "ہلال بن عبدالرحمٰن" جس کے متعلق امام عقیلی نے فرمایا کہ اس کی روایات "منکر" ہوتی ہیں، نہ ان روایات کی کوئی اصل ہوتی ہے اور نہ کوئی متابعت، امام ذہبیؒ نے فرمایا کہ اس کی روایات پر ضعف اتنا غالب ہوتا ہے کہ اس کی روایات کا ترک کرنا ہی بہتر ہے۔"قال العقيلي: منكر الحديث، وقال بعد ماذكر له أحاديث: كل هٰذه مناكير لاأصول لها ولايتابع عليها" وقال الذهبي: الضعف علىٰ أحاديثه لائح فليترك". (لسان المیزان:۶/۲۰۲) پانچواں راوی "عطاء بن ابی میمون" قدری فرقے کا ہے، اس کی روایات قابلِ اعتبار نہیں ہیں۔"عطاء ابن أبي ميمون: ثقة صالح قدري لايحتج بحديثه". (تہذیب التہذیب:۷/۲۱۵، مستفاد تنبیہات، تنبیہ نمبر:۸۲)

۶- اس واقعے کے غیر ثابت ہونے کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ امام سیوطیؒ نے "خصائصِ کبریٰ" نامی کتاب میں بہت سی موضوع روایات ذکر کی ہیں؛ مگر اس روایت کو ذکر کرنے سے گریز کیا۔"ولما لم يصح شيء من أسانيد الرواية ومتونها لم يوعز إليها السيوطي في الخصائص الكبرىٰ في باب ماوقع في الهجرة النبوية من الآيات والمعجزات، وقد ذكر فيه أحاديث ضعيفة مع النص علىٰ ضعفها، فكأنه عرف بأن ذكر هذه الرواية تمس كرامة المؤلف وتحط مكانة تأليفه عن الأنظار، وهٰكذا لم يذكرها أحد ممن ألف في أعلام النبوة ومعاجز النبي الأعظم".

۷- سیرت کی مشہور اور معتبر کتب میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے غار میں داخل ہونا ثابت ہے؛ لیکن اس سے زائد تمام باتیں کسی بھی معتبر کتاب میں موجود نہیں۔"وهٰكذا لم يذكرها

أحد ممن ألف في أعلام النبوة ومعاجز النبي الأعظم، إن الأصول القديمة في القرون الأولىٰ لايوجد فيها إلا أن أبابكر دخل الغار قبل النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم لينظر أفيه سبع أوحية". (تنبیہات، تنبیہ نمبر:۸۳) آپ مزید لکھتے ہیں: ''تمام اضافے کسی بھی ایسی سند سے ثابت نہیں جس پر اعتماد اور اعتبار کیا جاسکے؛ البتہ جن اسانید سے ثابت ہیں اُن کا حال معلوم ہو چکا، روایات کی تحقیق کرنے والے ایک مستند ادارے سے جب اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو ان کا جواب بھی یہی تھا کہ ہمیں اس واقعے کی کوئی معتبر سند نہیں مل سکی، اس پوری بحث سے اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ غار کے اندر سانپ کا وجود اور سانپ کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ڈسنا کسی بھی مستند روایت سے ثابت نہیں؛ لہٰذا اس کو روایات کی طرف منسوب کرنا درست نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب (تنبیہات، تنبیہ نمبر:۸۲)

(۱۰) مفتی طارق امیر خان صاحب دامت برکاتہم کی تحقیق: مفتی طارق امیر خان صاحب دامت برکاتہم نے اس واقعہ کے روایت کرنے والے دوسرے راوی ''عبدالرحمٰن بن ابراہیم راسبی'' کے متعلق محدثین کے اقوال نقل کیے ہیں اور دوسرے راوی ''ابوسلیمان فرات بن سائب جزری'' کے متعلق محدثین کے تفصیلی اقوال نقل کیے ہیں، جن میں ان راویوں کے متعلق ''من گھڑت روایات بیان کرنے، منکر الحدیث ہونے، متروک ومہجور ہونے''، ''**لایحتج به، لیس حدیثه بشيء، ذاهب الحديث، واه**'' وغیرہ القاب محدثین کے ہیں۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: غیر معتبر روایت کا فنی جائزہ:۲۱۵/۴) آپ مزید لکھتے ہیں کہ: ''حافظ ذہبیؒ نے اس روایت کو منکر اور قصہ گو صوفیوں کی گھڑی ہوئی چیز کے مشابہ قرار دیا ہے، حافظ ذہبیؒ کے اس قول پر حافظ ابنِ حجر عسقلانیؒ اور علامہ سبط ابن العجمیؒ نے اکتفاء کیا ہے؛ نیز حافظ ابنِ کثیر نے بھی اس روایت پر نکات وغرابت بیان کی ہے؛ اِس لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جانب سانپ کے ڈسنے کا مشہور واقعہ منسوب کرنا درست نہیں ہے؛ البتہ یہ بات درست ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غار میں موجود سوراخوں میں اپنا پاؤں داخل کیا تھا؛ تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی موذی جانور نقصان نہ پہنچائے۔ (غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ:۲۲۲/۴)

(۱۱) مؤسسۃ تحقیقاتی ولی عصر کی تحقیق: کیا یہ بات قابلِ تعجب نہیں ہے کہ: ۱- اللہ رب العزت کفارِ مکہ سے بچانے کے لیے گھر سے سو قاتلوں کے درمیان سے نکال لے ۲- اور غار کے قریب کفار کے پہنچ جانے کے بعد بھی نظروں سے محفوظ رکھے اور سفر کا ساتھی صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو منتخب کرے، جو کہ یارِ غار بھی ہو اور یارِ مزار بھی ہو، انہیں کی حفاظت نہ ہو؛ بلکہ سانپ کاٹ لے، موذی انسانوں سے بچانے والے نے موذی سانپ بچھو سے کیوں نہیں بچایا؟ جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ﴿**لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا**﴾ ''نہ ڈرو! ہمارے

ساتھ اللہ ہے''۔صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو حزن صرف دشمنوں کا تھا یا غار میں موجود موذی جانوروں کا بھی تھا؟ ظاہر ہے کہ دونوں کا تھا، تبھی تو غار کی صفائی کی، مذکورہ روایت کے مطابق موذی انسانوں سے تو اللہ نے بچالیا؛ مگر موذی حیوانات سے نہیں بچایا، حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے موذی انسانوں سے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو محفوظ رکھا اور موذی جانوروں سے بھی محفوظ رکھا؛ مگر فضائل میں غلو پسندوں نے ایذا رسانی کا واقعہ گھڑ دیا ہے جو کبھی ہوا ہی نہیں تھا۔''**وهل من العدل والعقل والمنطق أن يحفظ اللّٰه نبيه عن كل هاتيک النوازل؟ ويري له في الدرأ عنه آية بعد آية في سويعات؟ من ستره عن أعين مشركي قريش لما مر بهم من بين أيديهم، وأنباته شجرة في وجهه تستره بها، وإيقاعه حمامتين وحشيتين بفم الغار، ونسج العناكيب باب الغار بأمر منه تعالىٰ شأنه، ويدع صاحبه الذي اتخذه بأمره، وتفاني في حب النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم، وعرض نفسه للمهالک دونه بدخوله الغار قبله، فلم يدفع عنه لدغ الحيات والافاعي، ولايرحمه في تلک الحالة التي تكسر القلوب، وتشجي الافؤدة، وينظر إليه رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم، ويقول له: لاتحزن إن اللّٰه معنا، والمسكين يبكي وتسيل دموعه. وهلا كان يعمل أبوبكر أن اللّٰه الذي أمر نبيه بالهجرة وأدخله الغار يكلاء ه عن لدخ الحيات والأفاعي بقدرته كما أعمي عنه عيون البشر الضاري، وقصر عن النيل منه مخالب تلک الفئة الجاهلة؟ وهلا كان يؤمن بأن صاحبه المفدي لواطلع على حاله لينجيه بمسحة مسيحية أوبدعوة مستجابة؟ فكل ماحكى عنه لماذا؟ نعم: أعمي الحب مختلق الرواية وأصمه فجاء بالتافهات غلوا في الفضائل**''. (مؤسسۃ تحقیقاتی ولی عصر.....)

(۱۲) مذکورہ روایت کا دیگر مستند روایات سے تعارض: ۱-علاوہ ایں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرماتے ہیں کہ اس میں جنات رہتے ہیں، اسی کے ضمن میں سوراخ میں اُنگلی داخل کرنے سے بھی منع کیا جاتا ہے، جبکہ یہاں مکمل پیر داخل کر دیا گیا، علاوہ ازیں چھوٹے سوراخ میں چھوٹے جانور کا اندیشہ جبکہ بڑے سوراخ میں بڑے جانور کا اندیشہ ہے، اس سے بدرجۂ اولیٰ احتیاط کرنی چاہیے تھی۔''**أن نبي اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم قال: "لايبولنّ أحدكم في جحر" قالوا لقتادة: ومايكره من البول في الجحر؟ قال: يقال: إنها مساكن الجن**''. (سنن ابی داؤد، کتاب الطہارۃ)

۲- مزید برآں ایک روایت میں انگوٹھا رکھنے کا ذکر ہے، دوسری میں ایڑی رکھنے کا اور تیسری میں مکمل پیر

رکھنے کا ذکر ہے، یہ متن کے اختلاف واضطراب کے علاوہ ابنِ کثیر ایڑی ہی کی روایت کو نا قابلِ قبول کہتے ہیں تو مکمل پیر والی روایت کو کیا کہا جائے گا۔ ''لما دخل الغار سدد تلک الأجحر کلها وبقي منها جحر واحد، فألقمه کعبه فجعلت الأفاعي تنهشه ودموعه تسیل''. (تاریخ ابنِ کثیر:۳/۱۸۰،فقال:في......)

(۱۳) مذکورہ روایت عقل کی نظر میں: ۱- اگر سانپ ڈسنے کی روایت کو صحیح مان لیا جائے تو پھر محبّ طبری نے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ: ''غار میں چھوٹے چھوٹے سوراخ کپڑے سے بند کر دیے؛ مگر ایک بڑا سوراخ تھا جہاں کے لیے کپڑا کافی نہ ہوتا تھا، تو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا پیر ران تک اُس میں داخل کر دیا، رات بھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے رہے، جبکہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو سانپ بچھو ڈستے رہے، اور آپ رضی اللہ عنہ کی اانکھوں سے آنسو بہتے رہے، صبح ہونے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کا جسم بدل چکا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا یہ کیا ہے؟ تو پوری بات بیان فرمائی۔ الخ۔ تو کیا یہ بات عقلاً بھی درست ہوسکتی ہے؟ کہ ایک پیر مکمل سوراخ میں ہو اور دوسرے پیر پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرما رہے ہوں، تو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ بیٹھیں گے کیسے؟ اور رات بھر زہر جسم میں چڑھتا رہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی تکلیف کا علم نہ ہوسکا؟ یعنی غار کے واقعہ کی تفصیل میں جائیں تو ہر طرح کی روایات ہیں، جو سنداً نا قابلِ قبول ہونے کے علاوہ عقلاً بھی نا قابلِ قبول ہیں۔ ''**دخل أبوبکر الغار فلم یرفیه جحر إلا أدخل إصبعه فیه حتی أتی علٰی جحر کبیر فأدخل رجله فیه إلٰی فخذه ثم قال: ادخل یارسول اللّٰه! فقد مهدت لک الموضع تمهیدًا، وبات أبوبکر بلیلة منکرة من الأفعی فلما أصبح قال له رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلم ماهٰذا یاأبابکر؟ وقد تورم جسده فقال: یارسول اللّٰه! الأفعی، فقال رسول له رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلم: فهلا أعلمتني؟ فقال أبوبکر: کرهت أن أفسد علیک، فأمر رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلم یده علٰی أبي بکر فاضمحل ماکان بجسده من الألم وکأنه أنشط من عقال، وقال في مرسل آخر عن عمر في ص:٦٨ کان في الغار خروق فیها حیات وأفاعي فخشي أبوبکر أن یخرج منها شيء یؤذي رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلم فألقمه قدمه فجعلن یضربنه ویلسعنه الحیات والأفاعي، وجعلت دموعه تتحادر ورسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلم یقول له: یاأبابکر! لاتحزن إن اللّٰه معنا فأنزل اللّٰه سکینته وهي الطمانینة لأبي بکر**''.(مرسل المحب الطبري في الریاض:١/٦٥-٢٧٤)

۲- نیز عقلی طور پر یہ بھی غور کیا جائے کہ: (۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری کو انسان سے سانپ بن

جانے کی اجازت ملنا کسی حدیث سے ثابت ہے؟ اور کیا زیارتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے انسان سے سانپ بن کر ہی لمبی عمر پائی جاسکتی ہے؟ اس کے بغیر انسان ہی کی شکل میں پچھلی امتوں کی عمریں لمبی نہیں رہتی تھیں؟ (۲) دیدارِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غارِ ثور میں آکر رہنے والے سانپ کو یہ کیوں پتہ نہیں تھا کہ اگر دیدار ہی مقصود ہے تو غارِ ثور کے مقابلہ میں غارِ حراء زیادہ بہتر تھا؛ کیوں کہ یہاں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک ہفتہ قیام فرمایا کرتے تھے، اس وقت بسہولت دیدار ممکن تھا، غارِ ثور میں تو مختصر قیام تھا، جبکہ وحی بھی غارِ حراء ہی میں نازل ہوئی۔

۳- دیدار کے بعد اس سانپ سے متعلق کوئی بات ثابت نہیں ہے، آخر کیا وجہ؟

۴- بعض مصنّفین نے موذی جانور لکھا ہے تو بعض نے سانپ لکھا ہے؛ مگر کسی نے یہ نہیں لکھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حواری تھا، یعنی موضوعات لکھنے والے حضرات نے بھی یہ من گھڑت بات نہیں لکھی جو بیانات میں بولی جاتی ہے۔

دارالافتاء جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کے فتویٰ پر تبصرہ

دارالافتاء جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن نے اس طرح کے سوال کے جواب میں لکھا کہ:

''مذکورہ سوال میں چند باتیں مذکور ہیں، اُنہیں ذیل میں الگ الگ ذکر کیا جاتا ہے۔ پہلی بات: **مکڑی کا جالا تننا:** یہ بات مختلف حضرات نے اپنی سندوں کے ساتھ نقل کی ہے، مثلاً: امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**وأمر اللّٰه العنكبوت فنسجت في وجه النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم فسترته**''. (دلائل النبوۃ: ۳۵۴/۲، ط: دارالحدیث القاہرۃ) ''امام بیہقی رحمہ اللہ کی یہ سند اگرچہ کمزور ہے؛ لیکن مختلف حضرات نے چوں کہ اسے ذکر کیا ہے اور مسئلہ کا تعلق احکام سے بھی نہیں ہے؛ لہٰذا یہ روایت قابلِ قبول ہوگی''۔

(دارالافتاء: جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر: 144106200174)

غور فرمائیں! امام بیہقی رحمہ اللہ کی سند میں ''عبدالرحمٰن بن ابراہیم راسبی'' کے متعلق حافظ ابونعم رحمہ اللہ نے ''**فيه ضعف ولين**'' کہا، حافظ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے ''تاریخ بغداد'' میں ''**منكر الحديث**'' کہا، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''میزان الاعتدال'' میں ''**عبدالرحمٰن ابن إبراهيم الراسِبي، عن مالك أتى بخبر باطل طويل، وهو المتهم به وأتى فرات بن السائب عن ميمون بن مهران..... وهو يشبه وغ الطرقية**'' ان کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی سخت کلام کیا ہے، دوسرے راوی ''ابوسلیمان فرات بن سائب

جزری'' کے متعلق تو ان سے زیادہ سخت القاب موجود ہیں، پھر کیسے کہا جائے گا کہ ''یہ سند اگرچہ کمزور ہے'' جبکہ کلام ضعف کا نہیں، ضعفِ شدید کا منقول ہے۔

نیز ضعیف حدیث پر عمل سے متعلق تو محدثین کے چار اقوال مشہور ہیں جن کی تفصیل ''**الآثار المرفوعة في الأخبار الموضوعة: ۱۸**'' میں دیکھی جاسکتی ہے؛ مگر موضوع روایت پر عمل تو دُور، اُس کے ذکر کرنے کے متعلق کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ ترغیب وترہیب میں بیان کیا جائے یا احکام کے علاوہ میں بیان کیا جائے؛ البتہ فتویٰ میں جو بات لکھی گئی وہ اس صورت میں درست ہے جبکہ اس روایت کو ضعیف مانا گیا ہو، جبکہ یہ روایت ضعیف نہیں ہے؛ بلکہ منکر درجہ کی ہے؛ لہٰذا بیہقی کی روایت قابلِ اعتبار نہیں شمار ہوگی۔

اسی فتویٰ میں مذکور ہے کہ: ''دوسری بات: **کبوتر کا انڈے دینا**: یہ بات ہمیں تا حال نہ مل سکی؛ البتہ یہ بات ملی ہے کہ دو کبوتر آ کر غار کے دہانے کھڑے ہوگئے اور آپ علیہ السلام کو چھپالیا، امام بیہقی رحمہ اللہ کی روایت ہے: ''**وأمر اللّٰه حمامتين وحشيتين فوقفتا بفم الغار**''. (دلائل النبوۃ:۳۵۴/۲)

تیسری بات: **کبوتر کا گھونسلہ بنانا**: اس بات کو بھی کئی حضرات نے نقل کیا ہے، امام مقریزی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**وعششت حمامتان علىٰ باب الغار**''. (إمتاع الأسماع: ۴۰/۱ مطبعة لجنة التاليف والترجمة)

چوتھی بات: **سانپ کا ڈسنا**: حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کو سانپ کے ڈسنے کا واقعہ امام بیہقی رحمہ اللہ نیان الفاظ سے نقل کیا ہے: ''**وكان في الغار خرق فيه حيات وأفاعي، فخشي أبوبكر أن يخرج منهن شيءٌ يؤذي رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم، فألقمه قدمه فجعلن يضربنه ويلسعنه الحيات والأفاعي، وجعلت دموعه تنحدر ورسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم يقول له: ياأبابكر لاتحزن إن اللّٰه معنا**''.

(دلائل النبوۃ:۳۵۱/۲، دارالافتاء: جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر: 144106200274)

مذکورہ تینوں باتیں بھی ''سننِ بیہقی'' کے حوالے ہی سے نقل کی گئی ہیں اور ''سننِ بیہقی'' کی روایت کا درجہ اور راویوں پر کلام کی تفصیل گزر چکی ہے، علاوہ ازیں اس میں بھی ذکر نہیں ہے کہ وہ سانپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کا حواری تھا، الخ۔ جبکہ بیانات میں یہ بھی اہم جزء رہتا ہے۔

البتہ فتویٰ کی یہ بات کہ: ''اس کے علاوہ سائل نے یہ بات پوچھی ہے کہ: یہ انڈے دینے کا واقعہ اچانک ہوگیا تھا یا پہلے سے گھونسلہ بنا رکھا تھا؟'' اس کے بارے میں عرض ہے کہ اس طرح کی مدد ونصرت کا ہونا ظاہر ہے ایک غیبی معاملہ ہے اور اس میں ظاہری اسباب کو نہیں دیکھا جاتا ہے، انڈے دینے والا واقعہ تو ہمیں نہیں مل سکا

ہے؛ لیکن مکڑی کا جالا تننا اور کبوتر کا گھونسلہ بنانا اور پھر غار کے دہانے ایسی جگہ کھڑا ہونا جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نظر نہ آئیں، اِن سارے واقعات کا تعلق بھی عام معاملات سے نہیں ہے؛ اِسی لیے جن روایات میں ان کا تذکرہ ہے اُن میں اِس بات کے ساتھ ''أمر اللّٰہ'' کے الفاظ بھی ہیں کہ اللہ کے حکم سے ایسا ہوا، یہ عام اتفاقات نہیں تھے، اگر انڈے دینے کا واقعہ درست بھی ہو تو ممکن ہے کہ وہ بھی اللہ کے حکم سے ہو اور اسی وقت یہ معاملہ ہو جائے، اس کا عقل میں آنا ضروری نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کامل قدرت والے ہیں، جب باقی کام خلافِ عادت کر سکتے ہیں تو انڈے دینے والا واقعہ خلافِ عادت کیوں نہیں ہو سکتا! البتہ اِس بات کی دوبارہ صراحت ضروری ہے کہ ہمیں یہ واقعہ (کبوتر کا انڈے دینا) کسی مستند کتاب میں نہیں مل سکا ہے۔ فقط واللہ اعلم (دارالافتاء: جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن، فتویٰ نمبر: 144106200274) صحیح بات ہے؛ مگر روایت کا درجہ محدثین طے کرتے ہیں، اگر عقیدت ومحبت میں احادیث کو ثابت نہیں مانا جا سکتا اور نہ ہی قدرتِ الٰہی سے کسی کو انکار ہے؛ مگر اس قدرت کے ثبوت پر یہاں کلام ہے۔

مذکورہ روایت مشکاۃ المصابیح میں ہونے کا حل

زیرِ بحث روایت ''مشکاۃ المصابیح'' شیخ ولی الدین محمد بن عبداللہ تبریزی رحمہ اللہ نے ''رزین'' کے حوالہ سے نقل کیا ہے: ''عن عمر (رضي اللّٰه عنه) ذكر عنده أبوبكر فبكى وقال: وددت أن عملي كله مثل عمله يوما واحدا من أيامه وليلة واحدة من لياليه أماليلته فليلة سار مع رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم إلى الغار فلما انتهينا إليه قال: واللّٰه لاتدخله حتى أدخل قبلك فإن كان فيه شيء أصابني دونك فدخل فكسحه ووجد في جانبه ثقبا فشق إزاره وسدها به وبقي منها اثنان فألقمها رجليه ثم قال لرسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم ادخل فدخل رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم ووضع رأسه في حجره ونام فلدغ أبوبكر في رجله من الحجر ولم يتحرك مخافة أن ينتبه رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم فسقطت دموعه علىٰ وجه رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم فقال: مالك ياأبابكر؟ قال: لدغت فداك أبي وأمي فتفل رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم فذهب مايجده ثم انتقض عليه وكان سبب موته وأما يومه فلما قبض رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم ارتدت العرب وقالوا: لانؤدي زكاة. فقال: لو منعوني عقالًا لجاهدتهم عليه. فقلت: ياخليفة رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم تألف

الناس وارفق بهم. فقال لي: أجبار في الجاهلية وخوار في الإسلام؟ إنه قد انقطع الوحي وتم الدين أينقص وأنا حي؟. رواه رزين".

(مشكاة المصابيح، باب مناقب أبوبكر رضي الله عنه، فصل ثالث:٥٥٦، ديني پبليكيشنز ديوبند)

۱- مگر پہلی بات یہ کہ حافظ رزین رحمہ اللہ کی ''تجرید الصحاح'' تا حال دستیاب نہیں ہے۔

(غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ:۲۲۱/۴)

۲- علاوہ ازیں مصنّف نے فصل ثالث میں ذکر کی ہیں، اگر چہ فصل ثالث کی روایت موضوع نہیں ہوتی ہیں؛ مگر مصنّف ہی کے اُصول کے مطابق جو انہوں نے مقدمہ ذکر کیا ہے کہ فصل اوّل اور فصل ثانی کی روایات شیخین کی تخریج کے مطابق ہوتی ہیں، برخلاف فصل ثالث کے، تو یہ روایت مصنّف کی ترتیب کے لحاظ سے اس درجہ کی نہیں ہوئی اور حدیث کی سند و متن کا حال دیگر محدثین کے کلام کی روشنی میں گزر چکا۔

نوٹ:

(۱) غار کے واقعہ میں بے بنیاد تمام اضافے چوتھی صدی میں کیے گئے۔''**وزيدت في القرن الرابع قصة الثوب وبقاء جحر واتكاء أبي بكر عليه بعقبه ودعاء النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم له لاتقائه عنه صلّى اللّٰه عليه وسلم بثوبه عن لدغ الحشرات المزعومة**''؛ چنانچہ محبّ طبری نے کپڑے پھاڑنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اضافہ کیا ہے، محبّ طبری موضوع رویات جمع کرنے کا ماہر سمجھے جاتے ہیں۔''**وجددت النغمات في قرن المحب الطبري المتخصص الفنان في رواية الموضوعات وجمع شتاتها، فجاء في روايته ماسمعت غير أن ألفاظه مع وجازته مضطربة جدا لايلتئم شيء منها مع الآخر**''. پھر علامہ حلبی نے اپنی کتاب ''سیرتِ حلبیہ'' میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گود میں سونے کو ذکر کیا''**ثم جاء الحلبي فذكر نوم رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم ورأسه في حجر أبي بكر، وسقى وجه رسوله الكريم بدموع أبي بكر المتساقطة من الألم**''. (تنبیہات، تنبیہ نمبر:۸۲)

(۲) مفتی طارق امیر خان صاحب دامت برکاتہم لکھتے ہیں: ''واضح رہے کہ زیر بحث واقعہ میں یہ مضمون قابلِ تحمل سند سے ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے غار میں موجود سوراخوں میں اپنا پاؤں داخل کر دیا تھا؛ تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی موذی جانور نقصان نہ پہنچائے۔

(ملاحظہ ہو: مصنّف ابنِ ابی شیبہ، فضائلِ صحابہؓ لاحمد بن حنبل، تاریخ دمشق لابنِ عساکر، بحوالہ، غیر معتبر روایات کا فنی جائزہ:۲۲۰/۴)

(۳) شارحینِ حدیث اور متعدد روایات کی تحقیق کے بعد یہ بات بھی کسی درجہ میں ثابت ہے کے غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تنا تھا۔ ''**فلما بلغوا الجبل خُلِّط عليهم، فصعدوا في الجبل، فمرّوا بالغار، فرأوا علٰى بابه نسجَ العنكبوت، فقالوا: لو دخل هاهُنا، لم يكن نسج العنكبوت علٰى بابه، فمكث فيه ثلاث ليال**''. (مسند احمد، رقم:۳۲۵۱)

مزید قابلِ حل اشکالات

شیخ عبدالحسین احمد الامینی النجفی فرماتے ہیں کہ: پہلی بات تو یہ ہے کہ اس واقعہ کی دو سندیں ہیں، ایک ابنِ ہشام نے نقل کی، دوسری حاکم اور ابونعیم و بیہقی نے نقل کی، ان کے علاوہ نے یہ واقعہ نقل نہیں کیا؛ مگر انہی کے حوالہ سے، جبکہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی ہے تو کتنی مشہور روایات ممکن تھیں ان حضرات سے متعلق اور کتنے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ واقعہ منقول ہونا چاہیے تھا؛ کیونکہ بات ہجرت کی ہے، ہجرت کا عمل بہت اہم تھا نقلاً بھی اور عقلاً بھی، ایک ایک جزء ہجرت کا محفوظ ہے کہ کون سا راستہ چُنا، کس کو رہبر بنایا، راستہ میں کیا ہوا، سراقہ بن مالک کے گھوڑے کے پیر زمین میں دھنسا دیے جانا وغیرہ؛ مگر غار کی یہ باتیں کسی صحابی کو نہیں معلوم ہوسکیں۔ ''**ومن الغريب جدا أن القضية مشتركة بين اثنين ليس إلا، وهما: رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلم وأبوبكر، وروايتها بطبع الحال تنحصر بهما غير أنها لم تنقل عنهما ولم يوجد لهما ذكر في أي سند، والدواعي في مثلها متوفرة لأن يذكر مع الأبد، وتتداولها الألسن، إذفيها من أعلام النبوة، وكرامة مع ذٰلك لأبي بكر**''.

دوسری بات: سند کے لحاظ سے کہ ''ابونعیم رحمہ اللہ نے جس سند سے یہ واقعہ نقل کیا ہے اُس میں ''عبداللہ بن محمد بن جعفر'' کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ بہت سے معروف متون میں بھی اپنی طرف سے گھڑ دیا کرتا تھا اور مشہور نسخوں میں بھی گھڑ دیا کرتا تھا، دارقطنی کے حوالہ سے امام حاکم فرماتے ہیں کہ: ''یہ بہت بڑا جھوٹا ہے، اس نے ''سننِ شافعی'' نام سے کتاب لکھی جس میں دوسو سے زائد حدیثیں امام شافعیؒ کے حوالہ سے نقل کردیں، جنہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان ہی نہیں فرمایا تھا، اس کے علاوہ ''عمرو بن حارث'' کے حوالہ سے سو حدیثوں کو زائد گھڑ دیا، محدثین تو فرماتے ہیں کہ احادیث کے معاملہ میں جھوٹ کا عادی بن چکا تھا وغیرہ، پھر کیسے اِس روایت کو قبول کیا جائے گا؟ اِس کے علاوہ دیگر رُواۃ بھی ناقابلِ اعتبار ہیں۔ ''**قال الأميني: للباحث حق النظر في هٰذه الرواية من عدة نواحي، أولا من حيث رجال السند ولاإسناد لها منذ يوم**

وضعت، ولاتروي في كتب السلف والخلف إلا مرسلة إما من الطرفين كرواية ابن هشام، وإما من طرف واحد كإسناد الحاكم وأبي نعيم..... وإسناد أبي نعيم المذكور لايعول عليه لمكان عبد اللّٰه بن محمد بن جعفر، قال ابن يونس: خلط في الآخر، ووضع أحاديث علٰى متون معروفة، وزاد في نسخ مشهورة فافتضح وحرقت الكتب في وجهه. وقال الحاكم عن الدارقطني: كذاب ألف كتاب سنن الشافعي وفيها نحو مائتي حديث لم يحدث بها الشافعي. وقال الدارقطني: وضع في نسخة عمرو بن الحارث أكثر من مائة حديث، وقال علي بن رزيق: كان إذا حدث يقول: لأبي جعفر ابن البرقي في حديث بعد حديث: كتبت هٰذا عن أحد. فكان يقول نعم عن فلان وفلان. فاتهمه الناس بأنه يفتعل الأحاديث، ويدعيها ابن البرقي كعادته في الكذب. قال: وكان يصحف أسماء الشيوخ". (لسان الميزان:٣/٣٤٥، بحواله: الغدير في الكتاب والسنة والأدب: ج/٨، من حياة الخليفة أبي بكر: الصفحة:٦٨، مركز الأبحاث القعيدية)

تیسری بات: اگر غار کے واقعہ میں یہ تمام تفصیل درست ہے تو سیرت کی مستند کتابوں میں یہ واقعہ کیوں مذکور نہیں ہے؟ اگر یہ واقعہ مرفوعاً نہ صحیح مرسلاً ہی درست ہے تو مستند کتبِ سیرت میں مذکور ہونا چاہیے تھا خواہ ارسال کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ دوسرے واقعات میں ہوا ہے۔ **"إن الأصول القديمة في القرون الأولٰى لايوجد فيها إلاأن أبابكر دخل الغار قبل النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم لينظر أفيه سبع أوحية كما في سيرة ابن هشام، ولم يصح عند الحاكم من القصة إلا هٰذا المقدار كما سمعت ولو صح شيء زائد علٰى هٰذا لمافاتته روايته ولومرسلة"**.

(الغدير في الكتاب والسنّة والأدب: ج/٨، من حياة الخليفة أبي بكر، الصفحة:٦٨، مركز ال۔بحاث القعيدية)

چوتھی بات یہ کہ: سانپ ڈستا رہا تو صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے کچھ حرکت اور آواز نہ کی کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند میں خلل نہ ہو جائے؛ مگر جب سانپ ڈسے گا تو اس کی آواز تو آئے گی، جبکہ وہ باہر نکل کر نبی کی زیارت کرنا چاہ رہا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کی آنکھیں سوتی ہیں؛ مگر دل نہیں سوتا، سانپ کی آواز کیسے سنائی نہیں دے گی، وغیرہ۔ **"ثم لما أدخل أبوبكر رجله في الحجر ونزل النبي صلّى اللّٰه عليه وسلم ووجده قاعدا لايتحرك، ورام أن ينام، ووضع رأسه الشريف في حجره، هلا سأل صلّى اللّٰه عليه وسلم صاحبه عن حالته العجيبة وجلوسه المستغرب الذي لايقوم عنه؟ وهل يمكن له أن يستر علٰى صاحبه كلما فعل وهو معه ينظر إليه من كثب؟ وأي لديغ هٰذا؟ وأي**

تصبر وتجلد؟ وأي منظر مهول؟ رجل الرجل في الجحر إلٰى فخذه ولاثوب عليه، ورأس النبي العظيم في حجره، والأفاعي والحيات تلدغه وتلسعه من هنا وهنا، لااللديغ يتململ السليم، حتى يرحک رجله أوعقبه فتجد تلكم الحشرات مسرحا فتبعد عنه، ولايأن ولايحن ولاتسمع له زفرة وإن الدموع تتحادر حتى يستيقظ النبي الذي تنام عينه ولاينام قلبه، فينجي صاحبه الذي اختاره لصحبته من لسعة الحيات والأفاعي".

(الغدير في الكتاب والسنة والأدب: ج/۸، من حياة الخليفة أبي بكر، الصفحات:٦٨، مركز الأبحاث القعيدية)

نوٹ: "**الغدير في الكتاب والسنة والأدب**" یا "**موسوعة الغدير**" کے مصنّف شیعہ عالم ہیں، اس کتاب کا مقصد اور اس کتاب کا درجہ جاننے کے لیے وِکی پیڈیا سے رجوع کیا جاسکتا ہے، یہاں ان کی عبارات اوّل درجہ میں بطور استدلال کے نہیں پیش کی گئی ہیں؛ بلکہ بطورِ اضافہ کے پیش کی ہیں، ممکن ہے انہوں نے جن نکات کی طرف اشارہ کیا ہے وہ عقلاً درست ہوں اور یہ بھی ممکن ہے کہ "حبِّ علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ بغضِ معاویہ رضی اللہ عنہ" میں پیش کیے ہوں؛ مگر ایک درجہ میں ان کے اشارات قابلِ غور محسوس ہوئے؛ اِس لیے نقل کیے گئے ہیں۔

مکڑی کو مارنے کا حکم

مکڑی نے جب غار پر جالا تَن کر نبی کی حفاظت کی ہے تو مکڑی کو مارنا کیونکر درست ہے؟

اگر مکڑی تکلیف اور اذیت کا باعث ہو، تو مکڑی کو مارنا جائز ہے؛ لیکن عموماً گھروں میں پائے جانے والی مکڑی موذی نہیں ہوتی، اور جس مکڑی سے کسی قسم کی تکلیف یا نقصان کا اندیشہ نہ ہو تو بلاضرورت نہیں مارنا چاہیے اور موذی مکڑی یا زہریلی مکڑی کو مارنا ضروری ہے؛ البتہ صفائی کے پیشِ نظر گھر سے مکڑی کے جالے صاف کرنے کا حکم ہے۔

فتاویٰ رحیمیہ میں ہے کہ: "مکڑی کی مختلف قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جو زمین میں گھر بناتی ہے، وہ موذی ہے، اس کو مارنے کی اجازت ہے، روح المعانی میں ہے: "**النوع الآخر الذي يحفر بيته في الأرض ويخرج في الليل كسائر الهوام وهي علٰى ماذكره غيرواحد من دوات السموم فيسن قتلها**". (روح المعانی: ج/۲۰، ص/۱۶۱ سورۂ عنکبوت) اور جو گھروں میں جالا تنتی ہے وہ موذی جانور نہیں ہے، بلاضرورت اُسے تکلیف پہنچانے اور مارنے سے، خصوصاً جب کہ مذکور واقعہ مشہور ہے، احتراز کرنا چاہیے۔ روح المعانی میں ہے: "**وقيل لايسن قتلها فقد اخرج الخطيب أنا وأبوبكر الغار فاجتمعت العنكبوت فنسجت**

بالباب فلاتقتلوهن ذكر هٰذا الخبر جلال الدين السيوطي في الدر المنثور، والله أعلم بصحته وكونه ممايصلح للاحتجاج به". (روح المعانی: ج۲۰ص۱۶۱، سورۂ عنکبوت)

یعنی: مکڑی کو مارنا نہ چاہیے، خطیب رحمہ اللہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَیں اور ابوبکر غار میں داخل ہوئے تو مکڑیوں نے جمع ہوکر فوراً جالا بُن دیا؛ اِس لیے تم ان کو قتل مت کرو۔ گھر میں اگر مکڑی کے جالے ہوگئے ہوں تو صاف کرسکتے ہیں۔"وذكر أنه يحسن إزالة بيتها من البيوت، لمااسند الثعلبي وابن عطية وغيرهما عن علي كرم الله وجهه أنه قال طهروا بيوتكم من نسج العنكبوت فإن تركه في البيت يورث الفقر وهٰذا أن صح عن الإمام كرمه الله وجه فذاك وإلافحسن الإزالة لمافيها من النظافة ولاشک بندبها". یعنی ثعلبی اور ابنِ عطیہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے نقل کیا ہے: مکڑی کے جالوں سے اپنے گھروں کو صاف رکھا کرو؛ کیونکہ اس کے چھوڑ دینے سے فقر پیدا ہوتا ہے، اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے اس اثر کا ثبوت ہو تو یہی دلیل ہے؛ ورنہ جالے صاف کرنا مستحب ہی ہے؛ اِس لیے کہ اس میں نظافت ہے۔(روح المعانی: ج۲۰ص۱۶۱، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ: ۱۰/۱۸۷)

کیا حرم کے کبوتر غارِ ثور کے کبوت کی نسل سے ہیں؟

کہا جاتا ہے کہ کبوتر کے اس عمل پر اللہ نے یہ انعام دیا کہ حرم کے کبوتروں کو اسی کبوتر کی نسل سے پیدا کیا جو چودہ سوسال سے چلے آرہے ہیں۔"وفي مسند البزّار: أنّ اللّٰه تعالىٰ أمر العنكبوت فنسجت علىٰ وجه الغار وأرسل حمامتين وخشيتين فوقعتا علىٰ وجه الغار وأن ذٰلک مماصدّ المشركين عنه وأنّ حمام الحرم من نسل تينِک الحمامتين". (الروض الأنف، موقع الإسلام:۲/۳۱۵، تاريخ مكة المشرفة والمسجد الحرام والمدينة الشريفة والقبر الشريف، أبوالبقاء محمد بن أحمد بن محمد ابن الضياء المكي الحنفي: ۱/۲۰۳)

دوسرا قول: یہ ہے کہ حرم مکی کے کبوتروں کی نسل کا تعلق اُن ابابیل پرندوں سے ہے جو سمندر کی جانب سے آئے تھے اور انہوں نے اپنے پنجوں میں پتھر اور کنکر تھام رکھے تھے؛ تاکہ بیت اللہ کو منہدم کرنے کے ارادہ سے آنے والے یمن کے بادشاہ ابرہہ الاشرم کو باز رکھا جائے۔

تیسرا قول: یہ ہے کہ طوفانِ نوح کا پانی ختم ہونے اور زمین خشک ہونے کی خبر لانے کے لیے حضرت نوح علیہ السلام نے اس پرندے کو استعمال کیا تھا، اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے حرم پاک کے کبوتر اسی کبوتر کی نسل سے بنادیے۔

واضح رہے کہ مذکورہ تحقیق کی روشنی میں ماقبل میں ذکر کردہ تینوں اقوال مستند نہیں ہیں، جب غار کے منہ پر کبوتر کے انڈے دینے کا واقعہ ہی موضوع ہے تو کبوتری کو بطورِ انعام کے حرم کی سرزمین عطا کرنے کی بات بھی موضوع ہوگی، بقیہ دونوں باتیں اسرائیلیات میں سے ہیں، اگر کسی مستند کتاب میں اسرائیلیات کے حوالہ سے بالفرض منقول بھی ہوں تو نہ تصدیق کی جاسکتی ہے اور نہ تکذیب۔ رہی بات ہدایہ اوّل میں صاحبِ ہدایہ نے کتاب الصلاۃ کے حاشیہ میں کہیں پر اِس بات کا ذکر کیا ہے، بعض مرتبہ ماہرِ علم وفن سے بھی خطاء ہوجاتی ہے، جس کی وجہ سے نہ وہ اپنے علمی مقام سے معزول ہوگا اور نہ مجروح ہوگا؛ بلکہ صد فیصد احترام کے ساتھ ان کے ذکر کردہ قول کو تحقیق کی روشنی میں غلط قرار دیا جائے گا، واللہ اعلم بالصواب۔